

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

# سورج کی موت اور قیامت

قرآن، حدیث اور سائنس کی نظر میں

مطبوعات فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ



IRFAN KHATIB

At Muz - Gurdaspur  
Tal. Sangrampur  
Dist. Patna

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

عمر خان خطیب

---

---

## سورج کی موت اور قیامت

قرآن، حدیث اور سائنس کی نظر میں

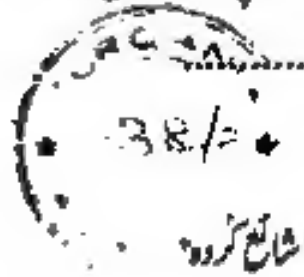
---

---

مطبوعات فرغانیہ اکیڈمی قرصہ

سلسلہ مطبوعات فرقانیا اکیڈمی ٹرسٹ ۷۷  
جلد حقوق بن مصنف محفوظ

نام کتاب ..... سورج کی موت اور قیامت  
نام مصنف ..... مولانا محمد شہاب الدین ندوی  
کمپیوٹر کمپوزنگ ..... جمیل الرحمن ندوی، فرقانیا گرافکس، بنگلور  
بار اول ..... ۱۳۶۱/۲۰۰۱ء  
ناشر ..... فرقانیا اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور  
مطبوعہ ..... اٹلیکٹ پرنٹنگ ورکس، بنگلور  
قیمت .....



فرقانیا اکیڈمی ٹرسٹ

**FURQANIA ACADEMY TRUST**

82, 10th Main, 1st Cross, BTM 1st Stage, Bangalore-560029 (India)

Tel: 6882101, 6684161; Fax: 6882101;

E-mail: furqania@vsnl.com; <http://www.furqania.com>

باہتمام  
جمیل الرحمن ندوی

## پیش لفظ

قیامت کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے، جس کا استحضار انسان کو اپنے کردار و کیر کڑ کے درست کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں اس کے اثبات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں عقلی و سائنسی دلائل پیش کئے گئے ہیں، تاکہ غافل انسان آنے والی زندگی پر یقین کر سکے۔ چنانچہ انہی دلائل میں سے ایک ہمارے سورج کی موت بھی ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے سورج ایک نہایت دن ضرور ختم ہو کر رہے گا، جیسا کہ خود سائنس دانوں نے بیسویں صدی میں اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ مگر اسلام نے اب سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس ابدی حقیقت کی پیش گوئی کر دی تھی، جس کی تصدیق موجودہ دور میں ہو رہی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ پوری کائنات ایک منصوبہ بند عمل کا نتیجہ ہے اور اس کے سارے واقعات خدائی منصوبے کے عین مطابق ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔

یہ کتاب دو مقالات کا مجموعہ ہے جو الگ الگ اوقات میں لکھے گئے ہیں۔ مگر ان دونوں میں کافی مناسبت ہے۔ اس لئے انہیں یکجا طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

محمد شہاب الدین ندوی

۲۰۰۱/۸/۷

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	پیش لفظ	۳
۲	فہرست مضامین	۴
	پہلا باب	
	<b>سورج کی موت اور قیامت</b>	
۳	اسلام کی ایک پیش گوئی	۷
۴	نظام کائنات کی گواہی	۸
۵	رونگٹے کھڑا کر دینے والی داستان	۸
۶	چاند اور سورج باضابطہ و بارگزار	۹
۷	قورح قیامت سائنس کی نظر میں	۱۱
۸	ایک عظیم قرآنی انکشاف	۱۴
۹	قرآن وحدیث اور سائنس کی مطابقت	۱۵
۱۰	حدیث کی جانچ کا ایک نیا اصول	۱۷
۱۱	قدیم مفسرین کے انکشافات	۱۹
۱۲	راویان حدیث کی صداقت	۲۱
۱۳	سورج اور چاند کا خاتمہ	۲۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۲	اسلام ایک فطری اور سائنٹفک مذہب	۱۴
۲۶	حرکیات حرارت کا دوسرا قانون	۱۵
۲۷	ستارے امن کے پیامبر	۱۶
۲۸	کسوف و خسوف اور حکمت نبوی	۱۷
۳۱	کائنات کی منصوبہ بندی	۱۸
۳۳	میزان کیا ہے؟	۱۹
۳۶	طبیعی دشمنی میزان	۲۰
۳۷	میزان صغریٰ و میزان کبریٰ	۲۱
۳۸	قرآن اور کائنات کی مطابقت	۲۲
۳۹	اصول دین کا اثبات	۲۳
۳۹	قرآن اور کائنات کے اسرار و مرہبہ	۲۴
۴۲	حدیث بھی نشان رسالت	۲۵
۴۵	مراجع و حواشی	۲۶
	دوسرا باب	
	<b>آسمان کیا ہے؟</b>	
۵۰	کائنات کا آغاز و انجام	۲۷
۵۲	آسمان اور جدید سائنس	۲۸
۵۳	کائنات کا ڈراپ سین	۲۹
۵۵	آسمان کے دور وازے	۳۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۱	سورج یا کائناتی جزائر	۵۶
۳۲	آسمانی دنیا کی بحیرہ العقول وسعت	۵۸
۳۳	عرش کے مقابلے میں سات آسمانوں کی حیثیت	۶۱
۳۴	زمین اور آسمان اللہ کی مشی میں	۶۲
۳۵	ایک اشکال اور اس کا جواب	۶۵
۳۶	نو آسمانوں کا غلط نظریہ	۶۶
۳۷	فلسفہ یونان کا ابطال	۶۸
۳۸	آسمان اول کی بعض تفصیلات	۷۰
۳۹	ایک وضاحت	۷۲
۴۰	اسلامی دور میں قانون تہاذب کا مفہوم	۷۴
۴۱	دور صحابہ میں کہکشاں کا تصور	۷۵
۴۲	تخریب عالم کی ابتدا سماء سے کیوں؟	۷۶
۴۳	حرف آخر	۷۸
۴۴	مراجع و حواشی	۷۹

## سورج کی موت اور قیامت

قرآن، حدیث اور سائنس کی نظر میں

اسلامی عقائد میں توحید اور رسالت کے بعد یوم آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ انہیں عقائد کے اثبات سے انسانی کردار و کیر کمر کی درستی عمل میں آتی ہے۔ یوم آخرت یا قیامت کا عقیدہ ایک ایسا کوڑا یا ہنر ہے جو انسان کو قابو میں رکھ سکتا ہے، جس کے مطابق ہر انسان کو اس کے اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔

### اسلام کی ایک پیش گوئی

اسلامی عقائد اوعالیٰ یا دنیاویت کی نشانی نہیں ہیں، بلکہ وہ حد درجہ علمی و عقلی ہیں، جن کی صداقت پر نظام کائنات گواہ ہے۔ چنانچہ اسلامی عقائد اور تعلیمات کی تصدیق و تائید جدید ترین اکتشافات کے ذریعہ مسلسل ہو رہی ہے، جو اس بات کا واضح اور ناقابل تردید علمی و سائنسی ثبوت ہے کہ یہ پوری کائنات اسی عظیم و خمیر اور لازوال ہستی کی پیدا کردہ ہے جس نے نبی آخر زماں حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ ایک بے نظیر اور معجزانہ کتاب بھیجی ہے، جو اس کائنات کے ایسے ”بہیدوں“ پر مشتمل ہے جن کو چودہ سو سال پہلے کوئی بھی انسان نہیں جانتا تھا۔ اور ان بہیدوں میں سے ایک بہید سورج کی ”موت“ اور وقوع قیامت کا نظارہ ہے۔ چنانچہ نہ صرف قرآن عظیم میں سورج اور ستاروں کی ”طبعی“ موت کی پیش گوئی واضح انداز میں مذکور ہے، بلکہ حدیث نبوی میں اس کی شرح و تفصیل بھی وارد ہوئی ہے۔ نیز



صدیوں پہلے مفسرین اور راویان حدیث نے بھی اس قرآنی پیش گوئی کا صحیح صحیح مفہوم بیان کر کے اس نظریہ عقیدے کو مزید مستحکم کر دیا ہے۔

## نظام کائنات کی گواہی

چنانچہ اب چودہ سو سال بعد جدید سائنس اور اس کے اکتشافات نے ہو، ہو وہی مفہوم بیان کر کے اسلامی عقائد و تعلیمات کی صحت و صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور یہ بڑی ہی ایمان افروز کہانی ہے، جس کے ملاحظے سے اسلام کے مذکورہ بالا تینوں بنیادی عقائد علم و عقل کی روشنی میں صحیح ثابت ہوتے ہیں اور الحاد و مادہ پرستی کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کے ملاحظے سے ثابت ہوتا ہے کہ:

۱۔ یہ کائنات کوئی اہل ٹپ یا اتفاقی حادثہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک خالق اور رب بھی ہے جو اس کائنات کے تمام اسرار و رستے سے واقف ہے، اور یہی خدائے ذوالجلال ہے۔

۲۔ خالق کائنات نے چونکہ اپنی تخلیقات کے اندرونی رازوں کی کتاب کشائی کرتے ہوئے انہیں اپنی کتاب حکمت میں چودہ سو سال پہلے ہی محفوظ کر دیا ہے، جن کی تصدیق و تائید اکتشافات جدیدہ کے ذریعہ ہو رہی ہے، لہذا ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب (قرآن عظیم) برحق ہے اور وہ اسی ہستی کی جانب سے نازل شدہ ہے جس نے یہ رنگارنگ کائنات بنائی ہے۔ ورنہ اس قدر لازوال سچائیاں ظہور میں نہ آتیں۔

۳۔ قرآن عظیم جس ہستی پر نازل ہوا وہ خدا کے سچے رسول تھے، جنہوں نے کلام الہی کو بے کم و کاست انسانوں کے سامنے پیش کیا۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی، بلکہ جو کچھ بھی کہا وہ وحی الہی کی بدولت کہا۔

## رونگٹے کھڑا کر دینے والی داستان

اس اعتبار سے توحید، رسالت اور یوم آخرت کے اثبات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا کلام الہی ہونا بھی سائنٹفک نقطہ نظر سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس بحث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ عالم رنگ و بو ایک زبردست اسکیم اور پوری منصوبہ بندی کے تحت وجود میں آئی ہے اور ایک مکمل پلان کے تحت

## سورج کی موت اور قیامت

جاری و ساری ہے۔ چنانچہ اس موقع پر سورج کی ”طبیعی موت“ پر (جو وقوع قیامت کی ایک واضح علامت ہے) جدید ترین سائنسی تحقیقات کا ایک جائزہ پیش کیا جائے گا اور پھر قرآن وحدیث کے ابدی حقائق اور مفسرین ومحدثین اور راویاں حدیث کی تشریحات پیش کی جائیں گی، جن سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح سامنے آئے گی کہ ان سب کا تال اور سر ایک ہی ہے۔ نیز یہ کہ قرآن اور حدیث میں سورج اور چاند ستاروں کی موت اور اختتام کائنات کے بارے میں ایسے زبردست انکشافات موجود ہیں جو روگئے کھڑا کر دینے والے ہیں۔

## چاند اور سورج باضابطہ و بارقار

یہ کائنات بخت و اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آئی، بلکہ اس کا ایک خالق و ناظم ہے جس نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اسے وجود بخشا ہے۔ چاند، سورج اور ستارے اس کائنات میں باضابطہ طور پر رواں دواں ہیں۔ اس سلسلے میں ایک سائنسک حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حیوانات و نباتات پیدا ہوتے ہیں، پھر جوان ہوتے ہیں، اور پھر بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں، بالکل اسی طرح چاند ستارے بھی پیدا ہوتے پھر جوان ہوتے اور پھر بوڑھے ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں چاند، سورج اور ستاروں کی ماہیت اور ان کے ضوابط میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ. إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ. (نحل: ۱۲)

”اور اس نے تمہارے لئے دن رات اور چاند سورج کو رام کر دیا ہے، اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ ان مظاہر میں عقل والوں کے لئے کافی نشانیاں موجود ہیں۔“

اس سلسلے میں ایک دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ چاند اور سورج ایک مقررہ مدت یا ایک حسابی ضابطے کے تحت چکر کاٹ رہے ہیں، جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

يُزْلِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَيُزْلِجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ، كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى، ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ. (طاطر: ۱۳)

”وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ اور اسی نے سورج اور چاند کو قیامت میں کر رکھا ہے۔ (چنانچہ) ہر ایک ایک مقررہ مدت کے مطابق دوڑ رہا ہے۔ یہی ہے تمہارا رب اور اسی کے لئے ہے (اس کائنات کی) پوری بادشاہی۔“

اس موقع پر ”اجل مسمیٰ“ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ لفظ ”اجل“ کے معنی مقررہ مدت کے ہیں (المدة المضرية للشئ)۔ اور ”مسمیٰ“ کے معنی بھی مقرر کردہ یا محدود کئے آتے ہیں۔ (مسمی الاجل۔ عید وحدہ) ۲

اس لحاظ سے اس میں مزید تاکید پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مدت جو بالکل مقررہ ہو۔ اور اس مقررہ مدت کے دو مفہوم یا دو مصداق ہو سکتے ہیں: (۱) چاند اور سورج دونوں ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔ (۲) یہ دونوں ایک مقررہ مدت تک چلتے رہیں گے۔ پہلی صورت میں لفظ ”مجرى“ حال کے معنی پر دلالت کرنے والا ہوگا، جیسا کہ اوپر مذکور سورۃ طاطر کی آیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور دوسری صورت میں وہ مستقبل کے معنی پر دلالت کرنے والا ہوگا، جیسا کہ حسب ذیل آیت سے ظاہر ہوگا۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ، كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى، يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُؤْقِنُونَ. (رعد: ۲)

”اور اس نے سورج اور چاند کو سخر کر رکھا ہے۔ (چنانچہ ان دونوں میں سے) ہر ایک مقررہ وقت تک چل رہے گا۔ معاملے کی تدبیر کر رہا ہے اور اپنی نشانیوں کو کھول کر بیان کر رہا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر سکو۔“

اس موقع پر ”وقت مقررہ“ سے مراد ”یوم موعود“ ہے۔ کیونکہ اس کے بعد جو تین حقیقتیں بیان

کی گئی ہیں وہ وقوع قیامت پر دلالت کر رہی ہیں: (۱) وہ پورے معاملے (نظام کائنات) کی تدبیر کر رہا ہے۔ (۲) وہ اپنی نشانوں کو (جو وقوع قیامت سے متعلق ہیں) کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔ (۳) تاکہ تم اپنے آقا سے ملنے کا یقین کر سکو۔ یعنی وقوع قیامت کی سچائی کا نظارہ پورے یقین کے ساتھ کر سکو۔ چنانچہ اس موقع پر وقوع قیامت سے متعلق جن نشانوں کے ظہور کی پیش گوئی کی گئی ہے وہ جدید ترین سائنسی تحقیقات و اکتشافات کے باعث مکمل کر سامنے آ گئی ہیں۔ لہذا اب اگلی سطور میں ان پر بحث کی جائے گی۔

### وقوع قیامت سائنس کی نظر میں

سائنسی نقطہ نظر سے ہمارے سورج جیسے ستارے بھی جیتے اور مرتے رہتے ہیں۔ ہماری اس کائنات میں اربوں کہکشاں (ستاروں کی جھرمٹ) موجود ہیں۔ ہماری کہکشاں میں ہمارے سورج جیسے تقریباً ایک کرب ستارے موجود ہیں۔ کئی کہکشاؤں اور ستاروں کی یہ تعداد بحیر المعقول ضرور ہے مگر یہ کوئی افسانہ نہیں ہے۔ ماہرین فلکیات جدید ترین دوربینوں کے ذریعہ لاکھوں نوری سال کے فاصلے پر واقع کہکشاؤں کا نظارہ کر کے ان کی واضح تصویریں اتار چکے ہیں۔ سورج اور دیگر ستارے ہائیڈروجن گیس کے بنے ہوئے ہیں جو ایک جلنے والی گیس ہے۔ اور سورج کے نطن میں ڈیڑھ سے دو کروڑ ڈگری درجہ حرارت پائی جاتی ہے۔ اور اس زبردست تپش کی بدولت اس کی ہائیڈروجن گیس مسلسل جلنے ہوئے ایک دوسرے عنصر ہیلیم میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے، جو جلنے کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت راکھ کی طرح ہے، جو کسی چیز کے جلنے کے بعد باقی رہ جاتی ہے۔ سورج درحقیقت ایک چراغ کی طرح ہے، جس کا "اینڈ مین" ہائیڈروجن گیس ہے۔ سورج کی روشنی اور اس کی حرارت اسی کے جلنے کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ ایندھن ختم ہو جائے گا تو چراغ بھی بجھ جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا سارا ایندھن ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو کے رہے گا، تب وہ بالکل سرد اور "بے جان" ہو کر ایک طرف

لڑھک جائے گا اور یہ اس کی "موت" ہوگی۔ سائنس کی اصطلاح میں ایسے ٹھنڈے یا "مردہ" ستارے کو "سفید بونا" یا "ہائیٹ ڈراف" کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے سورج درحقیقت ایک بہت بڑا "تھریل پلانٹ" ہے، جو انسان کی خدمت بھی کر رہا ہے اور اسے ایک آنے والے دن کی خبر بھی دے رہا ہے۔

اس سلسلے میں ایک روسی سائنس داں جارج گیگونے (جس نے بعد میں امریکہ کی شہریت اختیار کر لی تھی) ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہی "سورج کی پیدائش اور موت" ہے۔ چنانچہ اس نے سورج کی "طبیعیات" پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ سورج کے اندر بہت بھاری مقدار میں ہائیڈروجن گیس موجود ہے، جو مسلسل ہیلیم میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ بالآخر اس کی پوری ہائیڈروجن جل جائے گی، جب اس کا تھرمونوکلیرری ایکشن بند ہو جائے گا۔ اور وہ ایک بے حد ٹھنڈے جسم میں تبدیل ہو جائے گا۔

The sun has a larger percentage of hydrogen gas in its atmosphere which will be continually converted into helium. Eventually all hydrogen is going to be burnt up when the thermonuclear reaction will be ceased. It will turn into an immensely cold body. ۛ

اور اب یہ دنیائے سائنس میں ایک "حقیقت" بن چکی ہے۔ کیونکہ یہ چیز طبعی اور "حسابی" نقطہ نظر سے ایک حتمی صداقت نظر آ رہی ہے۔ اور اس حقیقت کو ہر سائنس داں صحیح تصور کرنے پر خود کو مجبور پارہا ہے۔ چنانچہ دنیا کے سب سے بڑے "دارالعلوم" انسٹیٹیوٹ یا برٹانیکا میں اس حقیقت کا اعتراف اس طرح موجود ہے:

"سورج کے مستقبل کا ارتقا بھی اسی طرح متوقع ہے جس طرح دوسرے عام ستاروں میں ہوتا ہے۔ آخر کار پوری ہائیڈروجن جل کر ختم ہو جائے گی اور ہیلیم اور دیگر ذراتی جوہروں کا نیوکلیائی تعامل شروع ہو جائے گا۔ اس کے نتیجے میں سورج کی کیمیائی ساخت بدل جائے گی اور اس کی روشنی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس طرح وہ ایک "سرخ دیو" بن جائے گا۔ ارتقائی اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ

## سورج کی موت اور قیامت

سورج کو اس حالت تک پہنچنے کے لئے ایک ارب سال درکار ہوں گے۔ آخر کار جب نیوکلیائی توانائی کے سارے ذرائع ختم ہو جائیں گے تو سورج اپنی آخری ارتقائی منزل تک پہنچ کر ایک "سفید بونا" بن جائے گا، یعنی ایک چھوٹے دائرے والا ستارہ۔

The future evolution of the sun is expected to be similar to that of other normal stars. Eventually all hydrogen will be burned up and nuclear reactions involving helium and heavier atoms will take over. This will change the chemical composition of the sun; as a result, the sun will increase in luminosity and thus turn into a red giant. Computations on evolutionary models predict that in a few times  $10^9$  years the sun will reach the red giant stage. Finally, when all nuclear energy sources are used up, the sun will reach its last evolutionary stage; that is, it will become a white dwarf, a star of small radius.

اس موقع پر یہ جو کہا گیا ہے کہ سورج کی "حیاتِ مستعار" کے ابھی ایک ارب سال باقی ہیں، تو یہ بات سورج کے جسم میں موجود ہائیڈروجن کی مقدار کے پیش نظر ہے کہ وہ جس رفتار سے اپنا "ایجنڈا" (ہائیڈروجن) کھوتا جا رہا ہے اس کے پیش نظر اس کے ایجنڈا کو ختم ہونے میں ابھی اتنا عرصہ لگے گا۔ مگر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ سورج ایک ارب سال سے پہلے ختم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خود سائنس دانوں ہی کی تحقیقات کے مطابق ہمارے سورج جیسے بعض ستارے پُر اسرار قسم کے دھماکوں سے پھٹتے رہتے ہیں۔ اس طرح پھٹنے والے ستاروں کو "حادثہ ستارے" (نووا) کہا جاتا ہے۔ اور ہماری کہکشاں میں ہر سال اس قسم کے تقریباً تیس ستارے پھٹتے رہتے ہیں:

About thirty nova outbursts are thought to occur each year in the Galaxy.

اور یہ وہ تماشائے رُبوہیت ہے جس کا آج سائنس دان اپنی طاقتور دوربینوں کے ذریعہ "مشاہدہ" کر رہے ہیں۔ اور اس اظہار سے ہمارا اپنا سورج بھی کسی دن ایک حادثہ ستارہ (نووا) بن

سکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں خود جارج گیمنے اس کا امکان ظاہر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ہمارا سورج بھی کسی دن اچانک ایک حادثہ ستارے کا روپ دھار کر ایک لطیف گیس میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اتنی سرعت کے ساتھ ہوگا کہ کسی کو بھی محسوس نہ ہوگا کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی بعید ترین نظام شمسی کے کسی سیارے پر بیٹھے ہوئے کچھ ماہرین فلکیات اپنی دوربینوں کے ذریعہ ہمارے سورج پر نگاہ ڈالیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ایک حادثہ ستارہ نمودار ہوا ہے۔

If, one fatal day, our sun should choose to become nova, the earth (and all the other planets as well) would instantly be turned into a thin gas; and it all would take place so fast that nobody would ever have time to realize what happened. Only the astronomers, if there are any, on some distant planetary system of another star. ۱۳

## ایک عظیم قرآنی انکشاف

سورج کی پیدائش اور موت کی یہ پوری داستان جس کو دنیائے سائنس نے بیسویں صدی میں دریافت کیا ہے، اس کا انکشاف قرآن عظیم کے ذریعہ روز اول ہی میں ایک علمی پیش گوئی کے طور پر اس طرح کر دیا گیا تھا:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ . وَإِذَا النُّجُومُ انْكَثَرَتْ : (ایک وقت آئے گا) جب سورج بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے جھڑپڑیں گے۔ (نکویر: ۱-۲)

اس موقع پر پہلی آیت میں سورج کی ”بے نوری“ یا اس کی موت کی خبر دی گئی ہے۔ اور دوسری آیت میں کائنات کے اختتام کی پیش گوئی کی گئی ہے، جس کے نتیجے میں قیامت واقع ہوگی۔ چنانچہ پہلی آیت کی حقیقت اوپر مذکور سائنسی اکتشافات کے تحت بخوبی ظاہر ہو چکی ہے۔ سورج کی یہ موت ظاہر ہے کہ ہمارے پورے ”نظام شمسی“ کی موت ہوگی۔ کیونکہ جب سورج ہی نہیں رہے گا جو روشنی، حرارت اور زندگی کا منبع ہے، تو اس کے تابع سیاروں (جیسے عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری اور

رحل وغیرہ) کا وجود بھی باقی نہ رہ سکے گا۔ اس اظہار سے مجرد سورج کا اعتقاد نظام شمسی میں موجود تمام ظلوقات کے لئے قیامت کا دن ہوگا۔

اور دوسری آیت کے کئی مطالب ہو سکتے ہیں: اول یہ کہ ہماری کہکشاں (مکلی دے ۱۱) کے

تمام ستارے وسیارے آپس ہی میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی باہمی جذب و کشش (گراویشن) کو ختم کر کے انہیں بکھیر دے گا۔ سوم یہ کہ یہ پوری کائنات جوار یوں کہکشاؤں اور کہریوں ستاروں پر مشتمل ہے (جیسا کہ اکتشافات جدیدہ کے تحت یہ بات پوری طرح متحقق ہے) وہ پوری کی پوری آپس ہی میں ٹکرا کر ختم ہو جائے گی۔ اور یہ بات موجودہ ”نظریہ عظیم دھماکہ“ (بگ بینگ تھیوری ۱۱) کی رو سے بہت ممکن نظر آتی ہے۔ اور حسب ذیل آیت کریمہ میں غالباً اسی قسم کے نظریہ کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ، كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعِيدُهُ، وَغَدَا  
خَلْقًا، إِنَّا كُنَّا لَافْعِلِينَ. (النباء: ۱۰۴)

جس دن کہ ہم آسمان کو (اس کے تمام اجرام سمیت) اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح کہ کتبہ اوراق کا طومار لپیٹا جاتا ہے، جس طرح ہم نے (اس کائنات کی) تخلیق اول کی ابتدا کی تھی، اسی طرح اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ہمارے مذماتیک وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کریں گے۔

### قرآن، حدیث اور سائنس کی مطابقت

موجودہ سائنسی نظریات کی روشنی میں اس قسم کے حقائق کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہو گئی ہے۔ ورنہ قدیم نظریات کی روشنی میں اجرام سماوی کی گردش اور ان میں موجود باہم جذب و کشش کا مفہوم واضح نہیں تھا۔ لیکن تعجب ہوتا ہے کہ جدید نظریات و اکتشافات سے بے خبر ہمارے قدیم علماء و مفسرین نے بھی بالکل وہی مفہوم بیان کیا ہے جو جدید اکتشافات سے مطابقت رکھنے والا ہے۔ اور اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تارہ اکتشافات ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہے، بلکہ اس قسم کے حقائق قرآن تو



قرآن خود احادیث و روایات تک میں بھی بھرے ہوئے ہیں۔ اور اس قسم کے حقائق و معارف کے ملاحظے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف قرآن عظیم سے مطابقت رکھنے والے ہیں بلکہ جدید ترین سائنسی تحقیقات سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ اور اس اعتبار سے آج قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی کی صداقت اور اس کا اعجاز بھی ثابت ہو رہا ہے۔ نیز اس بحث سے راویان حدیث اور قدیم مفسرین کی صدق و سچائی پر بھی ایک نئی روشنی پڑتی ہے کہ انہوں نے تحقیقات جدیدہ سے یکسر نادانگہ ہونے کے باوجود پوری ایمانداری کے ساتھ وہی مفہوم ایک ”علمی امانت“ کے طور پر بیان کر دیا جو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ و تابعین سے منقول ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ جس سورہ میں سورج کی بے فوری یا اس کی موت کی خبر دی گئی ہے اس کا نام ہی ”نکویر“ رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی سورج کی ”بساط اللہ“ یا اس کا ”یوریا“ بستر گول کرنا، جو اختتام کائنات کی علامت ہے۔ اسی طرح قرآن کے آخری پارہ میں اس سلسلے کی مزید دو سورتیں موجود ہیں جو وقوع قیامت پر سائنسی نقطہ نظر سے نوع انسانی کو متنبہ کرنے والی ہیں اور وہ ہیں سورہ انفطار اور سورہ انشقاق۔ اور ان دونوں میں بھی ”ستاروں کی موت“ اور اختتام کائنات کی خبر دی گئی ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ تینوں سورتیں جو مختلف الفاظ و اسالیب میں ہیں، ایک ہی مضمون اور ایک ہی حقیقت کا اعلان کر رہی ہیں۔

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ . وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ : جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ (انفطار: ۱-۲)

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ : جب آسمان پھٹ جائے گا۔ (انشقاق: ۱)

چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کو قیامت کا دن اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے خوشی ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ”إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ“ اور ”إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ“ اور ”إِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ“ پڑھے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو کائنات کے اندرونی بھیدوں سے واقف ہو۔ ورنہ مستقبل میں پیش آنے والے علمی حقائق کے پیش نظر ماضی بھید میں کوئی صحیح اصول یا ضابطہ بیان کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اور ضابطہ بھی کیسا؟ وہ جو قرآن کی مختلف آیات اور اس کے مختلف الفاظ کو ایک لڑی میں پروانے والا ہو! اس اعتبار سے قرآن تو قرآن خود حدیث نبوی کی بھی صحت و صداقت ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ”سرچشمہ علم“ سے صادر شدہ ہیں ورنہ ان دونوں میں اتنی زبردست مطابقت ہرگز نہ پائی جاتی۔

### حدیث کی جانچ کا ایک نیا اصول

واضح رہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن غریب“ کہا ہے، جب کہ امام حاکم نے اسے ”صحیح“ قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی تصدیق کی ہے مگر موجودہ دور میں کسی حدیث کی ”صحت“ جانچنے کا صحیح اصول یہ ہونا چاہئے کہ وہ عقلی اور علمی اعتبار سے یا تو قرآن سے ہم آہنگ ہو جائے یا قرآن اور جدید تحقیقات و اکتشافات کے مطابق ہو جائے۔ چاہے اس کی روایتی حیثیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح بہت سی ”ضعیف“ حدیثیں بھی اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے صحیح ثابت ہو سکتی ہیں، جن میں ”تاریخی“ اعتبار سے کچھ ”خامی“ رہ گئی ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک اصول خود احادیث ہی میں اس طرح موجود ہے:

اعرضوا حدیثی علی کتاب اللہ، فان وافقه فهو منی وانا قلته: میری حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرو، اگر وہ اس کی موافقت کر لے تو وہ میری بات ہے اور اسے میں نے کہا ہے۔<sup>۱۸</sup>  
 مکون عنی رواہ یروون الحدیث، فاعرضوه علی القرآن، فان وافق القرآن فخذوها وإلا فلدعوها: عنقریب مجھ سے حدیث روایت کرنے والے راوی ہوں گے۔ لہذا تم حدیث کو قرآن پر پیش کرو، اگر قرآن اس کی موافقت کرے تو اسے قبول کر لو ورنہ چھوڑ دو۔<sup>۱۹</sup>

اس اعتبار سے بھی موجودہ دور میں حدیث شریف پر تحقیقی کام کرنا بہت ضروری ہے، تاکہ موجودہ دور کے فتنوں کا صحیح جواب ہو سکے۔ اور خاص کر آج کل جو لوگ حدیث نبوی پر بجا اعتباری ظاہر

کرتے ہیں ان کا مؤثر طور پر رد ہو سکے۔

غرض موجودہ دور میں کسی راوی کی ”کتابت“ یا اس کا ”ضعف“ معلوم کرنے کا معیار بجائے ”روایت“ کے ”درایت“ ہونا چاہئے۔ یعنی حدیث پر علمی و عقلی نقطہ نظر سے بحث کر کے دیکھنا چاہئے کہ اس کی صحت و صداقت کتاب اللہ میں موجود معانی و مضامین کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور یہ کام اجتہادی وقت نظر اور بصیرت جہی کا طالب ہے۔ مگر اس سلسلے میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ رسول اکرم ﷺ سے جو بھی قول یا عمل صادر ہوا ہے اور آپ نے جو بھی فیصلے کئے ہیں وہ حسب ذیل آیات کی رو سے قرآن ہی سے ماخوذ اور قرآن بھی کے تابع ہیں:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ:

اور ہم نے تیرے پاس (کتاب) تذکرہ بھیج دی ہے، تاکہ تو لوگوں کے لئے ان باتوں کی وضاحت کر سکے جو ان کے پاس بھیجی گئی ہیں اور وہ (ان باتوں میں) غور کر سکیں۔ (نمل: ۴۴)

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ: ہم نے تیرے پاس یہ کتاب حقانیت کے ساتھ بھیج دی ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اللہ کی فہمائش کے مطابق فیصلہ کر سکے۔ (نساء: ۱۰۵)

چنانچہ اس موقع پر کلام الہی میں ”بما اراک اللہ“ کے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ حد درجہ بلیغ اور قابل غور و جہت ہیں۔ اور اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے تمام فیصلے ”اراءت الہی“ یا ”اللہ کی فہمائش“ کے مطابق ہوا کرتے تھے، جو فہم قرآن ہی کے تابع تھے۔

چنانچہ اس سلسلے میں امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کا قول ہے کہ امت (فقیہی مسائل میں) جو کچھ بھی کہتی ہے وہ حدیث کی شرح ہے، اور حدیث جو کچھ کہتی ہے وہ قرآن کی شرح ہے۔

جميع ما نقوله الامة شرح للسنة، وجميع السنة شرح للقرآن۔

اور اس سلسلے میں خود رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إِنِّي لَا أَحِلُّ إِلَّا مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَلَا أَحْرِمُ إِلَّا مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ: میں اپنی طرف سے کوئی چیز حلال نہیں کرتا سوائے اس کے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے۔ اور میں اپنی طرف سے کوئی چیز حرام نہیں کرتا سوائے اس کے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ اے

اس اعتبار سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث دونوں ایک ہی سرچشمہ سے صادر شدہ ہیں۔ زبان نبوت سے جو بھی بات نکلے ہے وہ کتاب اللہ ہی کی شرح و تفسیر ہے، چاہے وہ فقہی مسائل سے متعلق ہو یا غیر فقہی امور سے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے:

وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ. (نجم: ۳-۴)

وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا۔ یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔

### قدیم مفسرین کے انکشافات

بہر حال آئیے دیکھیں کہ سورج کی موت کے بارے میں قدیم مفسرین کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ دنیائے اسلام کی سب سے قدیم تفسیر، امین جریر طبریؒ (م ۳۲۰ھ) کی جامع البیان فی تفسیر القرآن قرار دی جاتی ہے، اور اس میں سورج کی ”مکور“ یعنی اس کی بساط لپیٹے جانے کے سلسلے میں حسب ذیل حقائق ملتے ہیں، جو صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سے منقول ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ إِذَا لَشْفُسُ تَكْوَرَتْ سے مقصود یہ ہے کہ وہ تاریک ہو جائے گا۔ (تَكْوَرَتْ: اُظْلِمَتْ)

۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسرا قول یہ بھی مروی ہے کہ سورج تَابِید ہو جائے گا۔ (تَكْوَرَتْ: ذَهَبَتْ)

۳۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ وہ مَطْمَحِل ہو کر ختم ہو جائے گا۔ (اضْمَحَلَّتْ وَ ذَهَبَتْ)

۴۔ قتادہؒ سے مروی ہے کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ (ذَهَبَتْ ضَوْءُهَا)

۵۔ سعیدؒ سے مروی ہے کہ سورج اندھا ہو جائے گا۔ (تَكْوَرَتْ: وَهِيَ بِالْفَارِ بِيَدِ تَكْوَرَتْ تَكْوَرَتْ)

۶۔ ضحاک سے مروی ہے کہ اس سے مراد سورج کا خاتمہ ہے۔ (ذُھَاثُہَا)

۷۔ ابوصالح سے مروی ہے کہ سورج الٹا دیا جائے۔ (نُکِسَتْ)

۸۔ ابوصالح ہی سے مروی ہے کہ سورج نیچے ڈال دیا جائے گا۔ (الْقَيْثُ)

۹۔ ربیع بن خثیم سے مروی ہے کہ سورج پھینک دیا جائے گا۔ (رُمِي بِهَا)

اس کے بعد علامہ ابن جریر تحریر کرتے ہیں کہ کلام عرب میں نگویر کے معنی کسی چیز کے ایک حصے کو اس کے دوسرے حصے سے ملانے کے ہیں۔ جیسے پٹری پلٹنا، جو سر پر باندھی جاتی ہے، یا جیسے کپڑوں کی گٹھری باندھی جاتی ہے۔ اسی طرح سورج کو پلٹنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بعض حصے کو بعض سے ملا کر پلٹا جائے اور اسے پھینک دیا جائے۔ اور جب یہ واقعہ ہوگا تو اس کی روشنی زائل ہو جائے گی۔ لہذا اس تاویل کی رو سے مذکورہ بالا دونوں قسم کے اقوال (سورج کی روشنی کا زائل ہونا اور اسے پھینک دیا جانا) صحیح ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جب سورج کو پلٹ کر پھینک دیا جائے گا تو اس کی روشنی زائل ہو جائے گی۔

والتکویر فی کلام العرب جمع بعض الشيء إلى بعض . وذلك كتکویر العمامة وهو لفها على الرأس، وكتکویر الکارة وهي جمع الثياب بعضها إلى بعض ولفها. وكذلك قوله إذا الشمس كورت، إنما معناه جمع بعضها إلى بعض، ثم لفست ورمي بها. وإذا فعل ذلك بها ذهب ضورها فلعلى التأويل الذي تأولناه وبيناه لكل القولين للذين ذكرت عن أهل التأويل وجه صحيح. وذلك أنها إذا كورت ورمي بها ذهب ضوءها. ۲۳

واضح رہے سورج کی نگویر یا اس کی بساط پلٹ دینا بطور ”استعارہ“ ہے جو بلاغت کی ایک قسم ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ انتہائی درجہ معنی خیز حقیقت ہے۔

بہر حال حیرت ہوتی ہے کہ علامہ موصوف نے جدید سائنسی تحقیقات سے ناواقفیت کے باوجود اس کی صحیح صحیح تاویل کس طرح کر دی جو عین مطابق واقعہ ہے! اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی

بات یہ کہ حضرت ابن عباسؓ سے لے کر بیچ بن خیشم تک تمام قدیم مفسرین کا تال اور سر مشترک کس طرح بن گیا؟ الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر نتیجہ سب کا ایک ہی ہے۔ لہذا اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انہوں نے یہ سب باتیں اپنے دل سے گھڑ کر پیش کی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اگر بات ایسی ہوتی تو ان سب اقوال میں معنوی اتحاد ہرگز نہ پایا جاتا۔ لہذا امانا پڑے گا کہ یہ سب باتیں رسول اکرم ﷺ ہی سے سن کر بیان کی گئی ہوں گی۔ کیونکہ ایک ہی حقیقت کو مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے، جن میں کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے۔ لہذا قرآن اور حدیث کے ساتھ ساتھ مفسرین اور راویان حدیث کی یہ مطابقت بھی اسلام کا ایک زبردست اعجاز نہیں تو پھر کیا ہے؟

### راویان حدیث کی صداقت

واقعہ یہ ہے کہ یہ بات صرف ابن جریر طبریؒ ہی تک محدود نہیں، بلکہ اس سلسلے میں حدیث اور تفسیر کی تمام کتابوں میں ”نگویر“ اور انقطاع“ وغیرہ کے تعلق سے بھی تمام حقائق مذکور ہیں، جو علمی حلقوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ اور ان حقائق و معارف کے ملاحظے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین میں مگوینیات یا سائنسی علوم کی کس قدر اہمیت ہے، جنہیں آج خود مسلمان نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ وہ علوم و حقائق ہیں جن کے ذریعہ آج ساری دنیا کو اٹھایا اور بٹھایا جاسکتا ہے اور ان کی بنیاد پر ایک ایسا فکری انقلاب لایا جاسکتا ہے جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا علمبردار ہوگا اور احیائے علم اور احیائے دین کا باعث بنے گا۔ آج دین کی تجدید علم کی تجدید ہی پر موقوف ہے۔ کیونکہ موجودہ دور میں ”علم“ کو جو اہمیت حاصل ہوگئی ہے وہ سابقہ کسی بھی دور میں نہیں تھی۔

غرض آئیے اس سلسلے میں سب سے پہلے دنیائے اسلام کی سب سے زیادہ مستند ترین کتاب (کتاب اللہ کے بعد) ”بخاری“ سے اپنے مطالعہ کا آغاز کریں۔ چنانچہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے کتاب بدائع الحلق“ (ابتداء الخلق) میں جہاں پر چاند اور سورج کی بعض صفات و خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے، وہاں پر حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نگویر سے مراد سورج کی بے لوری ہے:

وقال الحسن: كورت تكور حتى يذهب ضوؤها. ۲۳

نیز علامہ ابن کثیر (م ۷۴۷ھ) نے ”تفسیر القرآن العظیم“ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے تفسیر درمنثور میں ”تکور“ اور ”انکدار“ کی تفسیر میں تقریباً وہی تمام معانی پیش کئے ہیں جو تفسیر ابن جریر میں مذکور ہیں۔ مثلاً: (۱) اُظْلِمَتْ: تاریک ہو جائے گا۔ (۲) غَوَرَتْ يَا غَوَرَتْ: دھندلا دیا جائے گا۔ (۳) رُمِيَ بِهَا: پھینک دیا جائے گا۔ (۴) نُكِبَتْ: پھیر دیا جائے گا۔ (۵) اِضْمَحَلَّتْ کمزور ہو جائے گا۔ (۶) لَذِبَ ضَوْءُهَا: اس کی روشنی راکل ہو جائے گی۔ (۷) وہ اندھا ہو جائے گا۔

اور ”وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ“ کی تفسیر میں مختلف روایات کے تحت حسب ذیل اقوال منقول ہیں: (۱) تَفَيَّرَتْ ستارے بدل جائیں گے (۲) تَنَافَسَتْ: منتشر ہو جائیں گے۔ (۳) تَسَاقَطَتْ: جھڑ پڑیں گے۔ (۴) تَسَاقَطَتْ وَتَهَاوَتْ: لڑکھڑائیں گے۔ ۲۴

چنانچہ انہی تمام روایات کی بنا پر پورے ذخیرہ تفسیر میں بھی سب اقوال گردش کر رہے ہیں، جو بالکل صحیح ہیں۔ اور امام رازی (م ۶۰۶ھ) نے لغوی اعتبار سے اس کے حسب ذیل معنی بیان کئے ہیں: (۱) تکور کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ کسی چیز کو گولائی کے طور پر لپیٹنا، جس طرح کہ عمامہ لپیٹا جاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے لفظ طبعی، لغت، نور اور تکور سب ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے دھوپ کی گھڑی کو ”کارۃ“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام کپڑوں کو ایک کپڑے میں باندھ لیتا ہے۔ (۲) روم یہ کہ اس سے مراد گرا دینا یا ڈھادینا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: كورت الشمس: دھو دتہ: یعنی میں دیوار کو دھکا دے کر گرا دیا۔ تو اس صورت میں إذا الشمس كورت کا مطلب ہوگا کہ سورج کو آسمان سے گرا دیا جائے گا۔ (القبب ورمیت عن الفلک)۔ نیز اس کے علاوہ ایک تیسرا قول بھی حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ یہ لفظ فارسی زبان سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ”تکور“ یعنی اندھے کے ہیں۔ ۲۵

اسی بنا پر اہل لغت نے بھی یہی تمام معنی بیان کئے ہیں جو دو راول ہی سے مشہور و مقبول رہے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب اور تاج العروس وغیرہ لغت کی تمام بڑی کتابوں میں یہی معانی و مطالب منقول ہیں۔ اور ان تمام کی مثالیں دینا اس موقع پر تطویل کا باعث ہوگا۔ ۲۶

### سورج اور چاند کا خاتمہ

یہ قسمی سورج کی ”طبیعی موت“ کی داستان، جو عبرتوں اور بصیرتوں سے بھرپور ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے سورج کے ساتھ ساتھ چاند کی موت اور ان دونوں اجرام یعنی آفتاب و ماہتاب کی مشترکہ داستان اور ان دونوں کا انجام۔

چنانچہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن آفتاب و ماہتاب دونوں کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ (الشمس والقمر مکوران يوم القيامہ)۔ ۲۷

بعض دیگر روایات میں مذکور ہے کہ چاند اور سورج کو پیر کئے ہوئے بیلوں کی طرح ”مضطرب“ بنا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

### الشمس والقمر ثوران عقیران فی النار۔ ۲۸

ایک اور حدیث کچھ اضافے کے ساتھ اس طرح آئی ہے کہ چاند اور سورج کو پیر کئے ہوئے بیلوں کی طرح دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اگر اللہ نے چاہا تو ان دونوں کو ہار لکالے گا اور نہ اسی میں رہنے دے گا۔

### الشمس والقمر عقیران فی النار، إن شاء اخرجهما وإن شاء تركهما۔ ۲۹

اس حدیث کو علامہ عبدالرؤف مناوی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۳۰

ان احادیث میں لفظ ”عقیران“ عقیر کا تثنیہ ہے، جو ”عقر“ سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے



اصل معنی اونٹ یا بکری کے پیر تکوار سے کاٹ دینے کے ہیں۔ ۳۱

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چاند اور سورج کو ”پیر کئے ہوئے بیلوں“ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کی ”دوڑ“ (خمری) یا ”تیراکی“ (سباحۃ) روک دی جائے گی تو گویا کہ وہ ”بے دست و پا“ یا ”مخدور“ بن کر رہ جائیں گے ۳۲۔ ان کی دوڑ روکنے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی ”قوت کشش“ (گراویشن) ختم کر دی جائے، جس کی وجہ سے وہ دوڑنے یا حیرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ جب انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

اس موقع پر ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر چاند سورج کا قصور کیا ہے جنہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا؟ اور یہ سوال اٹھانے والے امام حسن بھرتی ہیں۔ تو اس کا جواب امام خطابی نے اس طرح دیا ہے کہ: اس سے مقصود چاند اور سورج کو عذاب دینا نہیں، بلکہ یہ بات چاند سورج کی عبادت کرنے والوں کی سرزنش کی غرض سے ہے، تاکہ وہ جان لیں کہ ان اجرام کی عبادت کرنا ایک باطل حرکت تھی۔ ۳۳

حافظ ابن حجرؒ نے عطاء بن یسارؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ارشاد باری: **و جمع الشمس والقمر** (اور آفتاب و ماہتاب کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔) (سورۃ قیامہ: ۹) اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کو یکجا کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ۳۵

### اسلام ایک فطری اور سائنٹفک مذہب

اس بحث سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ چاند، سورج اور ستارے سب کے سب فانی چیزیں ہیں، جن کو بقا و دوام حاصل نہیں ہے۔ لہذا چاند ستاروں کی عبادت کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ عبادت و بندگی تو اس کی جاتی ہے جو زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہو۔ مگر دنیائے انسانیت کی یہ بہت بڑی بد قسمتی ہے کہ قلعہ قیاس کی وجہ سے چاند سورج کو معبود و معبود بنا لیا گیا۔ چونکہ ان دونوں سے دنیا والوں کو روشنی اور

حرارت ملتی ہے اس لئے بعض قوموں نے انہیں معبودیت کے درجے پر فائز کر دیا۔ چنانچہ ایک حدیث کے مطابق جو امام ابن سیرینؒ سے مروی ہے، مذکور ہے کہ (غلط) قیاس سے کام لینے والا اولین فرد ابلیس تھا۔ اور آفتاب و مہتاب کی پرستش بھی (غلط) قیاسات ہی کی بنیاد پر کی گئی۔ (اول من قاس ابلیس۔

وما عبدت الشمس والقمر إلا بالمقایس) ۳۶

اسی لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عبادت کسی مخلوق کی کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ عبادت تو اس کی کی جاتی ہے جو تمام مخلوقات کا خالق اور رب ہو۔ چنانچہ فرمان الہی ہے:

وَمِن آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ. لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ. (حم سجدہ: ۳۷)

رات دن اور آفتاب و مہتاب اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو (بلکہ) اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

اور آج علم و تحقیق کے اجالے میں یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو چکی ہے کہ چاند سورج خالق نہیں مخلوق، معبود نہیں عابد اور متبوع نہیں بلکہ ادنیٰ درجے کے تابعدار ہیں، جو بہت جلد غائب ہونے والے ہیں۔ لہذا جن لوگوں نے ان کو معبود و معبود بنا کر ان کی پرستش کی انہوں نے ایک فعل عبث ہی نہیں کیا بلکہ مخلوق کو معبود کے درجے میں رکھتے ہوئے خدا کی خدائی میں انہیں شریک کر دیا، جو خلاق عالم کے نزدیک ایک ناقابل معافی جرم اور اسے قصہ دلانے والی بات ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ، أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ. (انبیاء: ۹۸)

تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں وہ سب یقیناً جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل

ہو کے رہو گے۔

ظاہر ہے کہ مشرکین کا یہ انجام فطری اور سائنٹفک نقطہ نظر سے بالکل مطابق واقعہ ہے۔ دیکھئے اسلام کے احکام اور اس کی عقلی حکمتیں اور بصیرتیں کہ وہ کس قدر گہرے فکر و عقل پر مبنی ہیں۔ کیا

ایسا پر از صحت کلام جو اس کائنات کے اسرار سر بستہ کی نقاب کشائی کرنے والا ہو، کوئی انسان پیش کر سکتا ہے؟ اسلامی تعلیمات میں قدم قدم پر عقل و دانش کا مظاہرہ نظر آتا ہے، جو نظام نفرت کے عین مطابق ہے۔ لہذا اس کے من جانب اللہ ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

## حرکیات حرارت کا دوسرا قانون

دنیا بے سادات میں سورج اختتام کائنات کا شاہد عدل ہے جو ”انجام حیات“ کی گواہی دے رہا ہے۔ اور اس گواہی کو جھٹلانے والی کوئی چیز اس عالم آب و گل میں موجود نہیں ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. لَيْسَ يُولُفَعِيهَا شَايِبَةٌ: جب واقع ہونے والی چیز (قیامت) واقع ہو جائے گی۔ جس کے وقوع کو جھٹلانے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ (واقعہ: ۱-۲)

اختتام کائنات کے سلسلے میں ایک واقعہ تو وہ ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اور اس ضمن میں دوسرا واقعہ وہ ہے جسے ”حرکیات حرارت کا دوسرا قانون“ (سکند لاء آف ترموڈائنامکس) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ طبیعیاتی نقطہ نظر سے اس قانون کی رو سے بھی کائنات کا اختتام یقینی نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس رفتار سے ہماری کائنات میں حرارت کی تقسیم ہو رہی ہے اس کے نتیجے میں ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جب کہ اس کائنات کے تمام مظاہر یکساں درجہ حرارت پر پہنچ جائیں گے۔ اس وقت کائنات کی کوئی بھی چیز نہ گرم رہے گی اور نہ سرد۔ اور یہ درجہ حرارت اس قدر کم ہوگا کہ جاندار اشیاء کا زندہ رہنا ممکن نہ رہے گا۔

چنانچہ اس سلسلے میں مشہور سائنس داں سر جیمز جنکس تحریر کرتا ہے: ”طبیعیات کا وہ اصول جو علم حرکیات حرارت کے اصول ثانی کے نام سے مشہور ہے یہی پیش گوئی کرتا ہے کہ کائنات کا صرف ایک ہی انجام ہو سکتا ہے اور وہ ہے قلت حرارت کی موت۔ یعنی ہوگا یہ کہ تمام کائنات میں حرارت کی تقسیم یکساں ہو جائے گی اور ہر جگہ یکساں درجہ حرارت پیدا ہو جائے گا، جو اس قدر کم ہوگا کہ حیات کا زندہ رہنا ناممکن ہو جائے گا۔“ (۳۷)

## ستارے امن کے پیامبر

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اس کائنات میں ایک ہمدان (سب کو جاننے والی) اور ایک زبردست قوت والی ہستی ضرور موجود ہے، جس کے اشاروں پر یہ کائنات وجود میں آئی ہے اور اس کے ایک اشارے پر یہ فنا ہو جائے گی۔ چاند، سورج، ستارے اور کہکشاں سب کے سب اسی کے حکم کے تابع اور فرمانبردار ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

إِنَّ رَبُّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَىٰ الْعَرْشِ، يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَبِثًا، وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ. ۚ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ. تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ. (اعراف: ۵۴)

تمہارا رب یقیناً اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن (چھ مدارج) میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے، جو اس کے پیچھے تیزی سے آ جاتی ہے۔ اور سورج، چاند اور ستارے (سب کے سب) اس کے حکم کے تابع ہیں۔ جان لو کہ (تمام مخلوقات کو) پیدا کرنا اور ان پر حکم چلانا اسی کا کام ہے۔ اللہ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ. (نحل: ۱۲)

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ اور اسی کے حکم سے ستارے بھی زیرِ قابو ہیں۔ ان مظاہر میں سمجھنے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں۔

اس لحاظ سے چاند ستارے اور تمام اجرام سماوی حکم الہی کے منتظر ہیں۔ جیسے ہی حکم ہوگا یہ سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ستارے آسمان کے لئے امن (کی نشانی) ہیں۔ جب وہ نیست و نابود ہو جائیں گے تو وقت موعود آ جائے گا۔

النجوم امنة السماء. فإذا ذهب النجوم اتى السماء ما توعد. ۲۸

## کسوف و خسوف اور حکمت نبوی

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ کسوف و خسوف (سورج گرہن اور چاند گرہن) کے جو مناظر ہر سال ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں وہ ایک حیثیت سے ہمارے لئے ایک تنبیہ کا درجہ رکھتے ہیں کہ چاند اور سورج کی روشنی کچھ لمحوں یا کچھ گھنٹوں کے لئے ہماری نگاہوں سے جو غائب ہو جاتی ہے، وہ قیامت کی یاد دلانے کی غرض سے ہے، تاکہ انسان غفلت کی نیند سے بیدار ہو اور اللہ کی طرف رجوع و انابت کا راستہ اختیار کرے۔ اسی بنا پر رسول برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے چاند اور سورج کو اللہ کی نشانیاں قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

إن الشمس والقمر لا يتكسفان لموت أحد من الناس، ولكنهما آيتان من آيات الله. فإذا رايتكما فقوموا فصلوا. ۲۹

سورج اور چاند کو کسی شخص کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ لیکن یہ دونوں مظاہر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم انہیں (سورج گرہن اور چاند گرہن کو) دیکھو، تو نماز پڑھو۔  
قدیم زمانے میں لوگوں کا یہ غلط عقیدہ تھا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت کے باعث واقع ہوتے ہیں۔ لہذا آپ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی۔ لیکن اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسوف و خسوف کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پچھلے سنہات میں مذکور حقائق کے مطابق ہمارا سورج کسی بھی وقت اچانک ایک ”سرخ دیو“ بن کر پھٹ سکتا ہے۔ چنانچہ جارج گیمو کے بیان کے مطابق ”اندازہ لگایا گیا ہے ہماری کائنات میں اب تک چالیس ارب ستارے پھٹ چکے ہیں“۔ ۳۰

لہذا ہو سکتا ہے کہ سورج گرہن کے موقع پر اچانک اس کی موت اور وقوع قیامت کا اعلان

## سورج کی موت اور قیامت

کر دیا جائے۔ غالباً یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ”آخری وقت“ میں رجوع الی اللہ اور توبہ واستغفار کی غرض سے نماز اور دعا کی دعوت دی ہو، تاکہ اہل اسلام کا خاتمہ بالآخر ہو سکے۔

واضح رہے اس موقع پر راقم سطور نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ بعض احادیث کی روشنی میں ایک قوی امکان نظر آتا ہے۔ چنانچہ بخاری کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جب سورج گرہن واقع ہوا تو آپ فوراً نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور حالت یہ تھی کہ آپ اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔ اور یہ کیفیت اس بنا پر تھی کہ آپ پر شاید گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ اور پھر آپ نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، یہاں تک کہ سورج گرہن زائل ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت کی وجہ سے گہناتے نہیں۔ جب تم انہیں دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ وہ ختم ہو جائے۔ چنانچہ یہ حدیث بخاری میں حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے، جس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

قال، کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فالتکشف الشمس، فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجری رداءہ حتی دخل المسجد، فدخلنا فصلی بنا رکعتین، حتی انجلت الشمس. فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إن الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد فباذا رابتموہما فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم. ۱۱

بخاری ہی کی ایک اور حدیث کے مطابق منبر صادق حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اس مظہر قدرت کو دیکھو تو اللہ سے دعا مانگو، بحیر کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمد! تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اللہ سے زیادہ غیرت مند ہو، جب کہ اس کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی زنا کرے۔ اے امت محمد! اللہ کی قسم اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ رڈو گے۔ ۱۲

ایک اور حدیث کے مطابق مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کی غرض سے کسوف و خسوف کو وقوع میں لاتا ہے۔

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَخُوفُ بِهِمَا عِبَادَهُ. ۴۳

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ یہ دونوں مظاہر اللہ کی آئینوں (نشانات ربوبیت) میں سے ہیں، جو کسی کی موت یا حیات کے باعث گہٹاتے نہیں۔ لہذا جب تم ان مظاہر کو دیکھو تو گھبراہٹ کے ساتھ نماز کے لئے دوڑ پڑو۔

قَالَ: هُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمَا فَاهْرَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ. ۴۴

واضح رہے اس موقع پر لفظ ”فرح“ لایا گیا ہے، جس کے اصل معنی خوف کے ہیں۔ اس موقع پر اس سے مراد یہ ہے کہ تم ایسے وقت نماز میں پناہ لو اور اللہ سے دعا مانگو تاکہ یہ حادثہ (بخیر و خوبی) ٹل جائے۔  
(اهْرَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ) اِي الْجَارِ إِلَىهَا. وَاسْتَعِينُوا بِهَا عَلَى دَفْعِ الْأَمْرِ الْحَادِثِ. ۴۵

ان تمام احادیث سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کسوف و خسوف میں کوئی بہت بڑا راز پوشیدہ ہے، اور یہ مظاہر وقوع قیامت کی واضح علامتوں میں سے ہیں۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ قیامت ایسے ہی مواقع پر واقع ہو جائے۔ اور یہ بات اس لحاظ سے بھی بہت ممکن نظر آتی ہے کہ جب چاند، سورج اور زمین تینوں ایک لائن میں آجائیں تو اس وقت سورج اچانک ایک ”سرخ دیو“ بن کر دھماکے کے ساتھ پھٹ جائے۔ جس کے نتیجے میں وہ ”سفید یونا“ بن کر ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اس طرح غالباً اس کی قوت ”جذب و کشش“ ختم ہو جائے گی اور پھر یہ تینوں اجرام آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے مواقع پر ہمارے نظام شمسی کے دیگر سیارے بھی ایک ہی لائن میں ہوں (جیسا کہ بعض مواقع پر

ہوتا ہے) اور سب کے سب یکبارگی ٹکرا کر فنا ہو جائیں۔ اس قسم کے امکانات کو سمجھنا جدید فلکیاتی نظریات کی رو سے بہت آسان ہو گیا ہے۔ لہذا قرآن اور حدیث کے حقائق تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں کھل کھل کر سامنے آرہے ہیں، جو ہمارے ایمان میں اضافے کا باعث ہیں۔ اسی لئے ارشاد باری ہے کہ قرآن عظیم نہ صرف ”ہر چیز کی وضاحت کرنے والا“ اور اہل ایمان کو خوشخبری سنانے والا ہے، بلکہ وہ ان کے قدموں کو جانے والا بھی ہے، تاکہ دنیوی انکار و حوادث ان کے پائے ثبات کو لرزات نہ سکیں۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِّلْمُسْلِمِينَ.

ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ اور وہ مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔ (نحل: ۸۹)

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِّلْمُسْلِمِينَ: کہہ دو کہ اس کلام کو روح القدس نے تیرے رب کی جانب سے حقانیت کے ساتھ اتارا ہے تاکہ وہ ایمان والوں کے قدموں کو جمادے۔ اور وہ اہل اسلام کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے۔ (نحل: ۱۰۳)

## کائنات کی منصوبہ بندی

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ پوری کائنات ایک منصوبہ بند عمل ہے، نہ کہ کوئی اہل شب و جود۔ اور اس کائنات کی کوئی بھی چیز اس حقیقت عظمیٰ کی ٹھڈیپ کرنے والی موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس جہاں آب و خاک کے تمام مظاہر اسی کی شہادت دے رہے ہیں اور سب کا ایک ہی ”راگ“ ہے کہ یہاں کی ہر چیز آئی جانی ہے اور چاند ستارے بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک ہمہ گیر ”قانون قدرت“ ہے۔ چنانچہ اس خدائی حکمت اور منصوبہ بندی کا اظہار حسب ذیل آیات میں کیا گیا ہے:

وَعَلَّمَنِي كُلُّ شَيْءٍ فَقُلْتُ نَفْسِي نَرَاهُ: اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ

(منصوبہ) مقرر کیا۔ (الرحمان: ۲)



إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ تَحْلُفُ بِالنَّصْرِ: ہم نے ہر چیز یقیناً ایک اندازے (منصوبے) کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اور (کسی چیز کے وقوع کے بارے میں) ہمارا حکم بس ایک بات ہے (کہ ہو جا، اور وہ چیز ہو جاتی ہے) جیسا کہ پلک کا جھپکنا۔ (قر: ۴۹-۵۰)

چنانچہ اس کائنات میں تمام واقعات اسی خدائی پلان اور منصوبہ بندی کے تحت رونما ہو رہے ہیں۔ اسی لئے فرمان خداوندی ہے کہ ہم نے یہ کائنات کھیل کود میں یا اہل شپ پیدا نہیں کی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَآيِهَاتٍ: اور ہم نے زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان مظاہر کو کھیل کود میں پیدا نہیں کیا۔ (انبیاء: ۱۶)

بہر حال اس خدائی منصوبہ بندی کے تمام ”اصول و ضوابط“ قرآن اور نظام کائنات کی تخلیق کے ذریعہ دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہو کر سامنے آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ حسب ذیل آیت کریمہ اس خدائی ضابطے کا اعلان کر رہی ہے:

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قُرْبٌ: اللہ وہی ہے جس نے کتاب اور میزان دونوں کو حقانیت (مطابقت) کے ساتھ اتارا ہے۔ اور تجھے کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہی ہو۔ (شوری: ۱۷)

اس موقع پر میزان سے مراد یہ پوری کائنات ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کائنات کی ہر چیز اپنے تئیں ترین طبعی ضوابط کی رو سے ”میزان“ کا ایک نمونہ ہے۔ یعنی اس جہاں رنگ و بو کی ہر چیز بالکل ”نپے تلے“ انداز میں رواں دواں ہے اور ان کے اصولوں میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو رہی ہے، چاہے وہ ایک ننھا سا اہلیم ہو یا ایک مکمل نظام شمسی۔ تمام حیوانات و نباتات اور جمادات و سموات سب کے سب طبعی ضوابط کے پابند ہیں۔ اور پھر یہ تمام ”اجزائے کائنات“ مل کر ایک عظیم اور منظم عمل کی نشاندہی کر رہے ہیں، جس کی تعبیر کے لئے ”میزان“ سے بہتر لفظ نہیں ہو سکتا۔ اگر اس نقطہ نظر سے مظاہر کائنات کی متصل شرح و تفسیر کی جائے تو اس کے لئے دفتروں کے دفتر بھی ناکافی ہوں گے۔ میزان کے اس مہموم کی تائید حسب ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے، جن کے مطابق خلاق عالم نے زمین سے لے کر

آسمان تک تمام مظاہر فطرت کو ایک ”میزانی ضابطے“ کا پابند بنا رکھا ہے:

الْشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ، وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ، وَالسَّمَاءُ رُفُفًا

وَوَضَعَ الْمِيزَانَ، أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ. (رحمن: ۵-۸)

سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں۔ نجم و شجر سر بسجود ہیں۔ (چنانچہ) اللہ نے

آسمان کو اونچا اٹھایا اور (زمین سے آسمان تک) میزان رکھ دی۔ (پھر تمام مظاہر کائنات کو حکم دیا کہ تم

اس میزان سے تجاوز نہ کرو۔

## میزان کیا ہے؟

ان آیات کریمہ میں تین بنیادی حقائق بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ تمام مظاہر کائنات قانون الہی کے پابند ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کی تعبیر کے لئے آفتاب

و ماہتاب کے ایک حساب سے چلنے اور نجم و شجر کی طبعی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے۔

مفسرین نے لفظ ”نجم“ کے دو معنی بیان کئے ہیں: ایک بغیر تیز والی بتل، اور دوسرے آسمانی ستارہ۔<sup>۸۸</sup>

غرض اس موقع پر بعض آسمانی اور بعض زمینی مظاہر کا تذکرہ کر کے گویا کہ یہ اشارہ کر دیا کہ زمین سے

آسمان تک تمام مظاہر ایک مقررہ قانون کی پابندی کرتے ہوئے گویا کہ اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یعنی طبعی

اعتبار سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہے ہیں، اس کی حکم حدودی نہیں کر سکتے۔ اس موقع پر درختوں

کے سجدہ کرنے کا مفہوم کیا ہے؟ تو اس کی تاویل دو طرح سے کی گئی ہے: (الف) یہ سجدہ انقیادی اعتبار

سے ہے (و مسجودهما القیادہما للہ فیما خلقا لہ)۔<sup>۸۹</sup> (ب) درختوں کے سائے صبح شام سجدہ

ریز رہتے ہیں۔ (واما یسجدان فإِنَّهُ عَنِیْ بِہِ سَجُودَ ظِلِّہُمَا)۔<sup>۹۰</sup>

اس موقع پر علامہ ابن جریر نے اپنے اس قول کی تائید میں حسب ذیل آیت پیش کی ہے:

وَلِیْلَہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَتَکْرُہًا وَظِلَالُہُمْ بِالْغُلُوبِ

وَالْأَصْنَافِ. (رعد: ۱۵)

زمین اور آسمانوں میں جو کوئی بھی ہے وہ چاروں طرف اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے، اور صبح و شام ان کے سامنے بھی (سربسجود ہیں)۔

اسی طرح حسب ذیل آیت کریمہ اس حقیقت پر دلیل مطلق ہے کہ تمام موجودات عام اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یعنی طبعی ضوابط کی رو سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ. (حج: ۱۸)

اے مخاطب! کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ ہی کو سجدہ کر رہا ہے، اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے لوگ بھی (اس کو سجدہ کر رہے ہیں؟)

اس اعتبار سے اس کائنات کی کوئی بھی شے خدائی حدود و ضوابط سے آزاد نہیں ہے کہ وہ جو چاہئے کرے۔ بلکہ سب کے سب ایک ہمہ گیر قانون اور نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔

واضح رہے لفظ ”سجود“ کے اصل معنی نقت کی رو سے خود سپردگی اور اطاعت کے ہیں۔ (اصل السجود الاستسلام والانقياد لله عزوجل) ۱۵

۲۔ خالق کائنات نے آسمان کو اونچا کر کے ایک ”میزان“ رکھ دی ہے۔ یعنی زمین سے آسمان تک ایک ”میزانی نظام“ قائم کر دیا ہے۔ چنانچہ جمادات کا ایک نظام ہے، نباتات و حیوانات کا اپنا ایک الگ نظام ہے، اور سماوات یا اجرام سماوی کا ایک منفرد نظام ہے۔ اس طرح سب کے سب اپنے اپنے نظاموں کی پابندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان نظاموں کے تفصیلی مطالعے کے لئے کئی ضخیم جلدیں درکار ہوں گی۔ لیکن پھر بھی ان کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ انسانی علم نہایت درجہ ناقص ہے، اگرچہ اس نے طبعی و حیاتیاتی علوم میں بے انتہا ترقی کر لی ہے۔ اور ایک تھکنے سے

انیم کا سینہ تک چیر کر اسرار و معارف کی ایک دنیا دریافت کر لی ہے۔ غرض ارض و سما، آفتاب و ماہتاب، دریا و پہاڑ، حجر و شجر، مرغ و ہای اور حیوان و انسان سب کے سب ایک متعین و محکم نظام اور قانون ربوبیت میں بندھے ہوئے ہیں۔

میزان سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے تین اقوال ہیں: (الف) زیادہ تر لوگوں کا قول ہے کہ اس سے مراد ”عدل“ ہے۔ (۲) اس سے مراد ترازو ہے۔ (یعنی تولنے والی شے)۔ (۳) اس سے مراد قرآن ہے۔<sup>۵۲</sup>

راقم سطور نے اوپر جو تشریح کی ہے وہ پہلے قول کے مطابق ہے، یعنی تمام موجودات عالم اپنے طبعی نظاموں کے ذریعہ ”عدل“ کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مگر میں نے جو مفہوم بیان کیا ہے وہ وسیع تر معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جب کہ قدیم مفسرین کا مفہوم ذرا محدود ہے۔ چنانچہ قدیم مفسرین میں سے حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں عدل قائم کر کے اس پر چلنے کا حکم دیا ہے۔

ای وضع فی الارض العدل الذی امر بہ۔<sup>۵۳</sup>

اور علامہ بیضاویؒ نے اس مفہوم کی تشریح اس طرح کی ہے کہ میزان سے مراد ”عدل“ ہے جس کو اس نے برزخی استعداد اور برحق وار کو اس کا حق بافراط عطا کیا، جس کے باعث اس عالم کا معاملہ منظم اور درست ہو گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”عدل ہی کے ذریعہ ارض و سموات قائم ہیں۔“

(وضع المیزان) العدل، بان وافر علی کل مستعد مستحقہ، و فی کل ذی حق حقه، حتی انظم امر العالم واستقام، كما قال علیہ السلام ”بالعدل قامت السموات والارض“۔<sup>۵۴</sup>

رسول اکرم ﷺ کی یہ تشریح وسیع مفہوم پر دلالت کر رہی ہے اور اس میں زمین و آسمان میں موجود تمام مظاہر آ سکتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے یہ قرآنی لفظ میزان کی صحیح تفسیر ہے۔

۳۔ اور اس سلسلے میں تیسری حقیقت یہ ہے کہ تمام مظاہر فطرت کو حکم دیا گیا ہے کہ کوئی بھی

اس میزان سے تجاوز نہ کرے۔ یعنی خلاق عالم نے جس چیز کے لئے جو ضابطہ مقرر کر دیا ہے اس سے ■ تجاوز نہ کرے۔ چنانچہ زجاج سے منقول ہے کہ یہاں پر ”الاطفوا“ کے معنی ”لا تجاوزوا الحد“ کے ہیں ۵۵، یعنی حد الہی سے آگے نہ بڑھو۔

اور علامہ ابن کثیرؒ نے (الاطفوا فی المیزان) کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض و سماوات کو حقانیت اور حد کے ساتھ پیدا کیا ہے، تاکہ تمام اشیاء حقانیت اور حد کے ساتھ قائم رہیں۔  
ای علق السموات والارض بالحق والعدل، لتکون الاشياء کلها بالحق والعدل. ۵۶

چنانچہ آپ اس عالم رنگ و بو کی کسی بھی چیز کا طبیعی (فزیکل) کیمیائی (کیمیکل)، حیاتیاتی (بیالوجیکل)، عضویاتی (آرگینیکل)، تشریحی (اناٹومیکل) اور فعلیاتی (فزیالوجیکل) وغیرہ کسی بھی نقطہ نظر سے جائزہ لیجئے، ہر چیز ایک نظام اور قانون کی پابند نظر آئے گی، جس سے وہ تجاوز نہیں کر رہی ہے۔ بالفاظ دیگر اشیاء عالم میں بے قاعدگی، انتشار یا لاقانونیت نہیں ہے۔ مظاہر کائنات کے یہ ٹیس ترین اور بے داغ قواعد و ضوابط ایک زبردست قوت والی اور کرشمہ ساز ہستی کے وجود کی خبر دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے باضابطہ اور حکیمانہ قوانین ایک ضابطہ ساز ہستی کے وجود کے بغیر خود بخود یا آپ سے آپ ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس اعتبار سے وجود باری کا عقیدہ کسی تاریک دور کی بات یا کوئی خرافاتی چیز نہیں بلکہ علمی اور سائنٹفک نقطہ نظر سے ایک روشن ترین حقیقت ہے۔ اور اس حقیقت عقلی کا انکار ایک غیر سائنٹفک بات بلکہ ”تاریک خیالی“ کی علامت ہے۔

## طبیعی و شرعی میزان

اوپر جو کچھ کہا گیا وہ طبیعیاتی نقطہ نظر سے ان آیات کریمہ کی شرح و تفسیر تھی۔ پھر اس کے بعد والی آیت میں انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَأَقْبِضُوا أَلْوِزَانَ بِالْإِصْبَاطِ وَلَا تَتَعَصَّبُوا بِالْمِيزَانِ: اور تم وزن کو انصاف کے ساتھ قائم کرو، اور میزان میں کمی و بیشی نہ کرو۔ (رحمن: ۹)

ان آیات کا حاصل یہ ہے چونکہ پوری کائنات نقاش فطرت کے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق چل رہی ہے اس لئے نوع انسانی کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس رب مہربان کے شرعی و اخلاقی ضوابط کو قبول کر کے مظاہر کائنات کی ہمساز و دمساز بن جائے اور ان کے شر میں اپنا سر ملا کر بارگاہ الہی میں سر بسجود ہو جائے، تاکہ پوری کائنات میں طبعی و شرعی دونوں لحاظ سے یکسانیت پیدا ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں طبعی و شرعی دونوں ”میزانیں“ مل کر ایک عظیم الشان میزان بن جائے گی۔ چنانچہ انبیائے کرام کی سیرتیں ”شرعی میزان“ کا مکمل نمونہ ہوتی ہیں اس لئے ان کی سیرتوں کو ایک آئیڈیل قرار دے کر ان کی اتباع کرنے کی تاکید اس طرح کی گئی ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ: ہم نے اپنے رسولوں کو یقیناً مکمل نشانیوں کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتار دی ہے، تاکہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں۔ (حدید: ۲۵)

بہر حال سورۃ رحمان کی مذکورہ بالا آیات کے بعد پوری سورت میں نوع انسانی کو ”دعوتِ ربوبیت“ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احسانات بتائے گئے ہیں، جو ہمکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کا ایک عقلی اور پیار بھرا طریقہ ہے۔ اور اس میں آخرت میں دئے جانے والے انعامات کا تذکرہ بھی ہے۔ اس اعتبار سے اس میں ”ترغیب“ کا پہلو غالب ہے۔

### میزانِ صغریٰ و میزانِ کبریٰ

حاصل بحث یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں دو قسم کی میزانیں نازل کی ہیں: ایک میزانِ کبریٰ اور دوسری میزانِ صغریٰ۔ اور ان دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے نوع انسانی کو دعوت دی ہے کہ وہ میزانِ صغریٰ (انبیائے کرام کی سنت) کی پیروی کرتے ہوئے میزانِ کبریٰ سے اپنے آپ

کو ہم آہنگ کر لیں، جس کے نتیجے میں انسان کی عاقبت درست ہو جائے گی اور وہ قیامت کے دن عذاب الہی سے بچ جائے گا۔ ورنہ اپنے رب سے بغاوت اور سرتابی کے باعث اس کا انجام بُرا ہوگا۔ یہ ہے اسلام کی عقلی اور سائنٹفک دعوت، جو عقل اور حکیمانہ دنیا و مافیہ میں مذکور ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کی دعوت اور اس کی تعلیمات دور وحشت کی یادگار نہیں بلکہ موجودہ علمی و عقلی دور کی ایک ضرورت ہے۔ اور اس حقیقت افروز دعوت کا انکار انتہائی بد نصیبی کی علامت ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ ضد و بہت دھرمی کا راستہ ترک کر کے اس فہمی آواز پر کان دھرے اور اپنی عاقبت کی فکر کرے۔

## قرآن اور کائنات کی مطابقت

اوپر سورہ شوریٰ کی حسب ذیل آیت پیش کی گئی تھی:

الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ، وَمَا يُلْهِفُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ:

اللہ وہی ہے جس نے کتاب اور میزان دونوں کو حقانیت (حکمت و مطابقت) کے ساتھ اتارا ہے۔ اور تجھے کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہی ہو۔ (شوریٰ: ۷۱)

اس موقع پر ”حق“ کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اس کائنات اور کتاب الہی کے ساتھ مطابقت پر دلالت کر رہا ہے۔ چنانچہ امام راعب نے تحریر کیا ہے کہ لفظ ”حق“ کے اصل معنی ”مطابقت“ کے ہیں۔ (اصل الحق المطابقة والموافقة)۔ اور اس کا استعمال چار طرح سے ہوتا ہے، جن میں سے ایک صورت یہ کہ کوئی ایسا ہو کہ وہ چیز حکمت کی مقتضی ہو۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فعل کو تاسر حق کہا جاتا ہے۔ ۷۲

اس اعتبار سے مقصود یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ قرآن اور کائنات دونوں کو حکمت اور ایک دوسرے کی مطابقت کے طور پر نازل کیا ہے۔ اور اس کے بعد قیامت کے قریب ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں کے تقابل سے نہ صرف وقوع قیامت بلکہ اس کے قریب ہونے کے دلائل بھی منجھ ہو کر سامنے آ جاتے ہیں، جن میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہتا۔ یہی وہ راز خدائی ہے جس کی بنا

پران دونوں کو ایک دوسرے کا مصدق و مؤید بنایا گیا ہے۔

## اصول دین کا اثبات

خلاصہ یہ کہ قرآن اور کائنات کی مطابقت سے تمام اصول دین (دینی عقائد) کا اثبات یقین الیقین اور حق الیقین کے طور پر ہو جاتا ہے۔ لہذا قرآن عظیم کو اصول دین کے اثبات کی غرض سے نظام کائنات کے مطابق بنایا گیا ہے، نہ کہ اسے اکتشافات جدیدہ کا ”خبرنامہ“ بنادینا، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال خام ہے۔

بہر حال ان مباحث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ مطالعہ کائنات کے باعث خدا کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے اور یوم آخرت کا اثبات بھی۔ اور اس کے ساتھ ہی کتاب الہی اور رسالت کی حقانیت اور دیگر تمام عقائد کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ علمی و عقلی اور سائنٹفک دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے، جن کے ملاحظے کے بعد اصول دین کی حقانیت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ بلکہ ان دلائل کے ملاحظے سے ایمان میں ”پیشگی“ پیدا ہوتی ہے اور یقین کی کیفیت بڑھ جاتی ہے، جو کہ اصل مقصود ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہے:

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ: اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حقانیت (حکمت و مطابقت) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ان مظاہر میں اہل ایمان کے لئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ (حکیمت: ۴۴)

## قرآن اور کائنات کے اسرار سر بستہ

قرآن حکیم ایک حیثیت سے نہایت درجہ آسان ہے، جس سے ہر عالم اور عامی بخوبی استفادہ کر سکتا ہے۔ مگر دوسری حیثیت سے وہ انتہائی مشکل اور قاصر بھی ہے، جس سے صرف اخص الخواص ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ تمام علمی حقائق کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور یہ حقائق قرآن



کے ”سطحی مطالعے“ سے واضح نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کے لئے علوم و فنون کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ: یہ مبارک کتاب ہم نے آپ کے پاس (اس لئے) بھیجی ہے، تاکہ (اہل علم) اس کی آیات میں غور کریں اور سچے عقل والے (اس کے انوکھے مضامین کے ملاحظے سے) متنبہ ہو سکیں۔ (ص: ۲۹)

اور حسب ذیل آیات کے ملاحظے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کے تمام رازوں سے بخوبی آگاہ ہے، جو مظاہر کائنات کے نظاموں میں پوشیدہ ہیں۔ اور یہ راز ہائے فطرت قرآن اور کائنات کی مطابقت سے دو اور دو چار کی طرح بغیر کسی تاویل کے سامنے آتے ہیں۔ اسی بنا پر قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں میں غور و خوض کر کے خداوند قدوس کے ان حقیقی رازوں کو منظر عام پر لا کر نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی دعوت دی گئی ہے۔

قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ: کہہ دو کہ اس قرآن کو اس نے اتارا ہے جو زمین اور اجرام سماوی کے (تمام) مجیدوں کو جانتا ہے۔ (فرقان: ۶)

وَمِنْ غَايِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ: آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ چیز (راز سر بستہ) نہیں ہے جو (اس) کتاب روشن میں نہ ہو۔ (نمل: ۷۵)

أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ: کیا اللہ کائنات کے سینے میں موجود (مجیدوں) کا جاننے والا نہیں ہے؟ (حکمت: ۱۰)

أَلَا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْغَبَاءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ: کیا یہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہ ہوں گے جو زمین اور آسمانوں میں موجود پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے؟ (نمل: ۲۵)

دیکھئے ان چاروں آیتوں میں ایک ہی حقیقت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے، اور الفاظ بھی بدل بدل کر لائے گئے ہیں۔ چنانچہ ”سر“ ”غائبہ“ اور ”غیبہ“ تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ پہلی

آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں یا کائنات میں موجود تمام اسرار سر بستہ کا جاننے والا ہے۔ دوسری آیت میں خبر دی گئی ہے کہ یہ تمام راز ہائے سر بستہ کتاب حکمت میں موجود ہیں۔ ان دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ نظام فطرت کے تمام رازوں سے باخبر ہے، اس لئے اس نے ان بھیدوں کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ چنانچہ تیسری آیت کے مطابق جو سوالیہ انداز میں ہے، نوع انسانی سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کائناتی بھیدوں سے ناواقف ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات اسی وقت درست ہو سکتی ہے جب کہ قرآن اور تحقیقات جدیدہ کی مطابقت ظاہر ہو جائے۔ ورنہ یہ مفہوم بے معنی بن کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اس آیت کے مطابق کائناتی حقائق کے ظہور کے بعد ہی چوتھی آیت کی صداقت ظاہر ہو سکتی ہے، ورنہ یہ مفہوم صادق نہ آ سکے گا۔ ظاہر ہے کہ قرآن عظیم ایک حکیمانہ کلام ہے اور اس کی تمام آیات ایک دوسرے کی شرح و تفسیر کرنے والی ہیں، ورنہ وہ ایک معمر اور چیتان بن کر رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے اس کلام حکمت میں غور و خوض کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ غرض ان آیات میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ابدی منصوبے کی رو سے اس کائنات میں موجود تخلیقی رازوں کو وقت فوقتاً ظاہر کرتا رہے گا، تاکہ نوع انسانی کو اپنے وجود کی خبر دیتے ہوئے اسے اس بات پر آمادہ کر سکے کہ وہ اسے ایک خدائے برتر تسلیم کر کے اپنی عاقبت درست کر لے۔ یہ ہے قرآن اور کائنات کی مطابقت کا اصل الاصول اور مقصد القاصد جو عند اللہ مطلوب ہے۔ لہذا اس سلسلے میں قرآن اور کائنات یا قرآن اور سائنس کے بارے میں دینی طبقوں کے درمیان جو غلط فہمیاں موجود ہیں وہ دور ہو جانی چاہئیں۔ کیونکہ یہ پوری کائنات خداوند عزوجل کی پیدا کی ہوئی ہے، اور قرآن عظیم بھی اسی کا نازل کردہ ہے، لہذا ان دونوں میں تعارض و تضاد کس طرح ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو لوگ قرآن عظیم کو کلام الہی ماننے کے بجائے اسے ایک گھڑا ہوا صحیفہ قرار دیتے ہیں ان کی غلط فہمی بھی دور ہو جانی چاہئے۔ کیونکہ یہ کلام برتر ایسے گہرے حقائق و معارف پر مشتمل ہے، جن کی صداقت و سچائی کی گواہی جدید سائنس اور اس کی تحقیقات دے رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب منصوبہ بندی ہے۔ تاکہ خود انسانی تحقیقات کے ذریعہ مصرع جدید پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے۔ تاکہ جسے مرنا ہو وہ دلیل دیکھ کر مر جائے۔

غرض قرآن عظیم ہر اعتبار سے حقائق و معارف سے بھرپور ایک لاطانی صحیفہ حکمت ہے، جو عصر جدید میں اپنا علمی اعجاز دکھا رہا ہے اور اس کی تجلیوں سے علم و حکمت کے تاریک گوشے منور ہو رہے ہیں اور نئے نئے جہانوں کی سیر ہو رہی ہے۔ یہ عظیم صحیفہ سارے جہاں کے لئے تذکیر و تحیہ بن کر سونے ہوئے انسانوں کو جگا رہا ہے اور اپنے ابدی حقائق کے جلوے دکھا کر پوری نوع انسانی کو متنبہ کر رہا ہے۔ چنانچہ اس کا ایک ایک لفظ علم و حکمت سے بھرپور اور حقائق و معارف سے لبریز ہے، جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ حسب ذیل آیات کریمہ مذکورہ بالا اتمام دھوؤں کے عین مطابق ہیں:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا: بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی کتاب) نازل کی، تاکہ وہ سارے جہاں کو متنبہ کر سکے۔ (فرقان: ۱)

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ. وَلَعَلَّكُمْ نَهَاءٌ بَعْدَ جَنِينَ: یہ قرآن سارے جہاں کے لئے ایک تذکرہ ہے۔ اور تم کچھ عرصے کے بعد اس کی (سچائی) کی خبر ضرور جان لو گے۔ (ص: ۸۷-۸۸)

چنانچہ قرآن اور کائنات کے یہ پوشیدہ اسرار و معارف آج مسلسل ولگاتار ہمارے سامنے آ رہے ہیں، جن سے ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

### حدیث بھی نشان رسالت

اس موقع پر ایک فلسفیانہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریگزار عرب کے ایک ”انہی“ شخص کو ان عظیم ترین علمی حقائق تک رسائی کس طرح ہوئی، جن کے اکتشافات پر دنیا کے قابل ترین سائنس دانوں کو اپنی عمریں کھپانی اور صدیاں لگانی پڑیں؟ کیونکہ سورج کے بارے میں یہ تمام اکتشافات بیسویں صدی میں ظہور پذیر ہو سکے ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا کوئی بھی جواب اس عظیم ترین حقیقت کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا کہ پیبر آ خر زماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے سچے نبی تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایک امی شخص تو سچا ”اٹل علم“ کی ایک پوری ٹیم مل کر بھی

اس قسم کی صحیح پیش گوئی ہرگز نہیں کر سکتی تھی، جس کی حقیقت موجودہ دور میں ظاہر ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی دوسری کوئی بھی مثال ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ اس قسم کے حقائق کا ظہور ڈیڑھ ہزار سال تو بہت دور کی بات ہے، پچھلی صدی تک میں بھی اس بات کا کوئی تصور تک کسی کے ذہن و خیال میں نہیں آ سکا تھا کہ سورج ایک نہ ایک دن اپنی ”قطری موت“ مر جائے گا۔ اس اعتبار سے قرآن تو قرآن خود حدیث نبوی بھی ”نشان رسالت“ کی حیثیت رکھتی ہے، جس پر عصر جدید کے بعض لوگ ”بے اعتباری“ ظاہر کرتے ہیں۔ اگر اس موضوع پر تحقیقی نقطہ نظر سے کام کر کے ذخیرہ حدیث میں جو حقائق مختلف علوم و فنون کے بارے میں مذکور ہیں انہیں منظر عام پر لایا جائے تو علمی دنیا حدیث نبوی کے اعجاز کا بھی اسی طرح نظارہ کرے گی، جس طرح آج قرآن عظیم کے علمی اعجاز کا نظارہ ہو رہا ہے۔ لہذا علماء کی ایک ٹیم کو اس کار عظیم میں جٹ جانا چاہئے۔ یہ وقت کی پکار ہے۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملاحظہ ہو کہ قرآن اور حدیث میں جو تفصیلات اس سلسلے میں مرقوم ہیں ان دونوں میں کوئی تعارض یا تصادم بالکل نہیں ہے۔ جو اس بات کا ایک اور ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سرچشمے سے صادر شدہ ہیں۔ ورنہ ان دونوں میں اس قدر زبردست مطابقت ہرگز نہ پائی جاتی۔ اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ دونوں مصادر ایک دوسرے کی شرح و تفصیل بھی کر رہے ہیں۔ ان حقائق کے ملاحظے سے ان دونوں کا اعجاز یکساں طور پر ثابت ہوتا ہے اور یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ پیغمبر اُمّی ﷺ اللہ کے سچے اور برگزیدہ نبی تھے۔ اور آپ نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا وہ وحی الہی کی بنیاد ہی پر تھا۔ لہذا حدیث نبوی کا یہ اعجاز موجودہ دور کے لئے ”نشان نبوت“ قرار پاتا ہے۔ چنانچہ خود ایک حدیث میں وحی الہی کے اس اعجاز پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

ما من الانبياء من لم يلاق اوتي من الايات ما مثله آمن عليه البشر. والمع

كان الذي اوتيت وحيا اوحى الله الي. ۵۸

ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا تھا، جس پر لوگ ایمان لائے۔ مگر مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ اللہ

کی وحی ہے جو مجھے عنایت کی گئی ہے۔

چنانچہ آج قرآن کے ساتھ ساتھ خود حدیث نبوی کا معجزہ ہونا عقلی و سائنسی نقطہ نظر سے اس طرح ثابت ہو رہا ہے کہ لوگوں کو ان دونوں کے وحی ہونے میں کسی بھی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک زندہ معجزہ ہے اور اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

وَمَا يَنْبَغِي غَيْرَ الْهُدَىٰ. إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ: وہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ وہ تو وحی ہے جو اس پہنچاتی ہے۔ (نجم: ۳-۴)

الغرض ان دونوں مصادر کی صدق و سچائی کے ملاحظے سے یہ حقیقت بھی بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ ”علم“ صرف وہی نہیں ہے جو محسوسات و معقولات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہو، جیسا کہ مادہ پرستوں کا ادعا ہے، بلکہ علم وہ بھی ہے جو ”وحی الہی“ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک حیثیت سے ”علم محسوسات“ میں غلطی کا امکان رہتا ہے، جب کہ وحی الہی یا علم الہی میں اس کا امکان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ چودہ سو سال پہلے لسان نبوت سے جو کچھ صادر ہوا تھا وہ آج پھر کی ایک کبیر کی طرح اپنی جگہ اٹل ہے، جب کہ نظام فطرت سے متعلق قدیم افکار و فلسفوں کی دیباہی بدل گئی ہے۔ اور اس حقیقت عقلی کو وہی جھٹلا سکتا ہے جو معاند ہو اور کسی بھی علمی حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔

آج وحی الہی اور علم الہی کی صداقت و حقانیت کا ایمان افروز نگارہ رات کے اندھیرے میں نہیں بلکہ دن کے ”اجالے“ میں ہو رہا ہے۔ اور جدید سائنس اپنی تمام تحقیقات اور اپنے لاکھ لاکھ سمیت اسلامی عقائد و تعلیمات کی نگار اور جہیم تصدیق و تائید کیا کر رہی ہے گویا کہ اسلامی عقائد و تعلیمات کو ”سلام“ کر رہی ہے۔ اسلام کی صدق و سچائی کا اس سے بڑا عقلی ثبوت اور کیا چاہئے؟

فَهَلْ مِنْ مُدْبِرٍ؟

## مراجع و حواشی

(۱) المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، مطبوعہ بیروت۔

(۲) معجم الفاظ القرآن الکریم، ۶۳۲/۱، المصحف المصریہ، ۱۹۷۰ء۔

(۳) دیکھئے آکسفورڈ الشریعہ انسائیکلو پیڈیا، ۵۴/۸، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نیویارک، ۱۹۹۳ء۔

Helium (۴)

(۵) اسی بنا پر قرآن حکیم میں سورج کو چراغ (سراج) سے تشبیہ دی گئی ہے۔

White Dwarf (۶)

The Birth and Death of the Sun. (۷)

Gamow, George, The Birth and the Death of the Sun, The New (۸)

American Library, New Youk, 1956, P.140.

(۹) یعنی جس طرح ایک شعلہ بجھنے سے پہلے بھڑک اٹھتا ہے، اسی طرح سورج بھی ٹھنڈا ہونے سے پہلے

بھیل کر ایک دیو بیکل "سرخ شعلے" کی صورت اختیار کر لے گا۔

Encyclopaedia Britannica, 1983, Vol. 17, P.808. (۱۰)

Nova، واحد Nova۔ (۱۱)

Oxford Illustrated Encyclopaedia, Vol. 8, The Universe, New (۱۲)

York, 1983, P.110.

Gamow, George, The Birth and the Death of the Sun, P.159. (۱۳)

Milky Way (۱۴)

Big Bang Theory (۱۵)

(۱۶) جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن ۵/۳۳۳ مطبوعہ بیروت، مستدرک حاکم ۲/۵۷۶، مطبوعہ بیروت،

نیز بقول امام سیوطی اس حدیث کو امام احمد اور ابن منذر نے بھی روایت کیا ہے، دیکھئے تفسیر

سورج کی موت اور قیامت

درمختور: ۸/۲۲۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۹۹۳ء۔

(۱۷) دیکھئے مستدرک حاکم ۳/۵۷۶-۵۷۷، مطبوعہ بیروت۔

(۱۸) طبرانی، معقول از کنز العمال: ۱/۱۷۹، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۹۸۹ء۔

(۱۹) ابن عساکر، معقول از کنز العمال: ۱/۱۷۷۔

(۲۰) الاقنات فی علوم القرآن، از جلال الدین سیوطی ۲/۱۶۰، مصر، ۱۹۷۸ء۔

(۲۱) ایضاً، نیز ملاحظہ ہو کنز العمال ۱/۱۹۵، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۹۸۹ء۔

(۲۲) جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر ابن جریر) طبری، ۳۰/۴۱، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۸۰ء۔

(۲۳) صحیح بخاری، باب صفۃ الشمس والقمر، ۳/۷۵، مطبوعہ استانبول، ۱۹۸۱ء۔

(۲۴) تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) ۳/۲۷۵، مطبوعہ قاہرہ، تفسیر الدرب المشرور ۸/۲۲۶۔ دارالفکر

بیروت، ۱۹۹۳ء۔

(۲۵) تفسیر کبیر: ۳۱/۶۷، دارالفکر بیروت، ۱۹۹۴ء، نیز ملاحظہ ہو تفسیر کشاف ۲/۲۲۱، مطبوعہ تہران، تفسیر

بیضاوی ۵/۴۵۶، بیروت، ۱۹۹۶ء۔

(۲۶) دیکھئے لسان العرب ۵/۱۵۶، دار صادر بیروت، تاج العروس من جواہر القاموس، ۷/۴۶۱، طبع

جدید دارالفکر بیروت، ۱۹۹۴ء۔

(۲۷) صحیح بخاری، ۳/۷۵۔

(۲۸) مسند ابوداؤد طیالسی، ج ۲۸۱، دار المعرفۃ بیروت، نیز دیکھئے جامع الاحادیث، علامہ جلال الدین

سیوطی، ۲/۲۳۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ۔

(۲۹) ابن مردودہ، معقول از کنز العمال، ۶/۱۵۳، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت۔

(۳۰) فیض القدر شرح جامع صغیر، ۲/۱۷۷، المکتبۃ التجاریۃ مکتبۃ المکرمۃ۔

(۳۱) ملاحظہ ہو: النہایۃ فی غریب الحدیث، ابن اثیر، ۳/۲۷۱، المکتبۃ الاسلامیۃ۔

(۳۲) جیسا کہ ارشاد باری ہے: کل یجوزی لاجل مسمی ہر ایک مقررہ وقت تک دوڑتا رہے گا۔ اور دوسری

## سورج کی موت اور قیامت

جگہ ارشاد ہے: کُلُّ لُحٍّ يَسْبَحُونَ: ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ (انبیاء: ۲۳)۔

(۳۳) دیکھئے النہایۃ فی غریب الحدیث، ۲/۵۷۵۔

(۳۴) دیکھئے فتح الباری، حافظ ابن حجر، ۶/۳۰۰، مطبوعہ دارالافتاء ریاض۔

(۳۵) ایضاً۔

(۳۶) سنن دارمی، ۱/۵۰، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ۔

(۳۷) پراسرار کائنات، از جمہور جنس، ص ۳۸، مطبوعہ کراچی۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے

راقم سطور کی کتاب ”قرآن اور نظام فطرت“ مطبوعہ فرقانیہ اکیڈمی بنگلور۔

(۳۸) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، ۳/۱۹۶۱، مطبوعہ دارالافتاء ریاض۔

(۳۹) بخاری کتاب الکسوف، ۲/۲۴، مطبوعہ استنبول، مسلم کتاب الکسوف، ۲/۶۱۸۔

(۴۰) دیکھئے جارج گیو کی کتاب ”وی برتھ اینڈ ڈی۔ جی آف وی سن، ص ۱۵۹۔

(۴۱) بخاری کتاب الکسوف، ۲/۲۴۔

(۴۲) ایضاً، ص ۲۴-۲۵۔

(۴۳) بخاری، ۲/۲۶۔

(۴۴) بخاری، ۲/۲۵، مسلم، ۲/۶۱۹۔

(۴۵) النہایۃ فی غریب الحدیث، ابن اثیر، ۳/۴۴۴، المکتبۃ الاسلامیۃ۔

Red Giant (۴۶)

White Dwarf (۴۷)

(۴۸) دیکھئے تفسیر ابن جریر، ۲۷/۶۹، دار المعرفۃ بیروت، تفسیر درمنثور، جلال الدین سیوطی، ۷/۶۹۲، دار الفکر

بیروت، ۱۴۱۴ھ، نزول المسیر فی علم التفسیر، ابن جوزی، ۸/۱۰۷، المکتبۃ الاسلامیۃ دمشق، ۱۴۸۷ھ۔

(۴۹) تفسیر کشاف، ۴/۴۴، انتشارات آفتاب تہران۔

(۵۰) تفسیر ابن جریر، ۲۷/۶۹۔



(۵۱) تفسیر قرطبی، ۱۵۳/۲۷۔

(۵۲) زاد المسیر فی علم التفسیر، ابن جوزی، ۱۰۷/۸۔

(۵۳) تفسیر قرطبی، ۱۵۳/۲۷۔

(۵۴) تفسیر بیضاوی، ۲۷۳/۵، نیز ملاحظہ ہو تفسیر ابوالسعود، ۱۷۷/۸، و ارجاء التراث العربی بیروت۔

(۵۵) دیکھئے زاد المسیر فی علم التفسیر (تفسیر ابن الجوزی) ۱۰۷/۸۔

(۵۶) تفسیر ابن کثیر، ۲۷۰/۴، مکتبہ دار التراث قاہرہ۔

(۵۷) دیکھئے المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۲۴۔

(۵۸) صحیح مسلم: ۱۳۳/۱، مطبوعہ ریاض، نیز ملاحظہ ہو مسند احمد: ۲۳۱/۲، بیروت۔

## آسمان کیا ہے؟

بعض قرآنی حقائق تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں

قرآن حکیم میں لفظ ”سما“ اور ”سموات“ کا تذکرہ جملہ ۳۱۰ جگہوں پر آیا ہے۔ مگر ہر جگہ ان کا مفہوم یکساں نہیں ہے۔ بلکہ سما سے مراد کہیں پر ایک ”محسوس شے“ ہے تو کہیں اس سے مراد ”مطلق بلندی“ بھی ہے۔ کہیں پر اس سے مراد ”عالم ملکوت“ ہے تو کہیں پر ”بادل“ کو بھی سما کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس کا اطلاق کہیں پر ”آسمانی مادہ“ پر ہے تو کہیں پر پورے ”عالم شہود“ پر ہے۔ اسی طرح ”سموات“ کا اطلاق کہیں پر ”سات آسمانوں“ پر کیا گیا ہے تو کہیں پر اس سے مراد ”اجرام سماوی“ ہیں، جو ہر انسان کے مشاہدہ میں آ سکتے ہیں۔ اور ان اجرام میں ہمارا چاند اور سورج بھی داخل ہے۔ ان تمام کی تشریح و تفصیل کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

اصل میں قرآن عظیم کا نزول چونکہ علوم و فنون سے نا آشنا قوموں کے درمیان ہوا تھا اس لئے ان تمام امور کو حد درجہ ”مبہم انداز“ میں بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ دور قدیم میں ان کی تفہیم کے تعلق سے کوئی پیچیدگی یا کوئی نیا مسئلہ پیدا نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ دور قدیم میں اگر ہر چیز کا بیان صاف صاف انداز میں کر دیا جاتا تو اس صورت میں ایک نیا مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا کہ لوگ کہہ دیتے کہ قرآن تو ایسی باتیں بیان کر رہا ہے جو ”نا قابل فہم“ ہیں۔ اور ان کا مطلب اہل ایمان کو سمجھنا مشکل ہو جاتا۔ لہذا ایسے

تمام ”کائناتی حقائق“ کا تذکرہ اس کتاب حکمت میں مبہم انداز میں کیا گیا ہے۔ مگر الفاظ اتنے واضح اور معنی خیز ہیں کہ ان کا مفہوم تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ان الفاظ (سما اور سموات) کا مفہوم کس جگہ کیا ہے؟ اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بلکہ یہ الفاظ اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے ہر جگہ بالکل وضاحت کے ساتھ اپنے مول پر دلالت کرتے ہیں۔ بہر حال اس سلسلے میں ایک قاعدہ کلیہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ ”سما“ کا اصل مفہوم ہے ”ہر وہ چیز جو ہمارے سروں کے اوپر ہو اور سایہ قلعہ ہو“:

کل ما علاک فاطلک فهو سما۔

اس سلسلے میں علامہ ابن منظور نے بھی لسان العرب میں تصریح کی ہے کہ ہر وہ چیز جو بلند ہو اور اوپر ہو اور اسی طرح ہر چھت کو بھی سما کہا جاتا ہے۔ اور گھر کی چھت کو بھی سما کہا گیا ہے۔

وقال الزجاج: السماء في اللغة يقال لكل ما ارتفع وعلا قد سما بسمو،

وكل سقف فهو سما، ومنه قيل لسقف البيت سما۔

اسی ابہام سے فائدہ اٹھا کر ان الفاظ کا استعمال اس کلام حکمت میں انتہائی بلیغ طور پر اس طرح کیا گیا ہے کہ ان کے مفہوم میں قدیم دور والوں کو بھی کوئی اشتباہ نہ رہے اور وقت آنے پر ان کا صحیح مفہوم بھی واضح ہو جائے۔ چنانچہ دیکھئے ایک مقام پر ”آسمان“ کا صحیح مفہوم کس طرح واضح کیا گیا ہے:

وَالسَّمَاءُ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ: اور ہم نے آسمان کو (اپنی زبردست) قوت

کے ذریعہ بنایا ہے اور ہم اس میں وسعت دے رہے ہیں۔ (ذاریات: ۴۷)

## کائنات کا آغاز و انجام

اس موقع پر ایک سوال یہ ہے کہ یہ وسعت کس چیز میں ہے؟ تو اس سلسلے میں روایتی اعتبار سے پانچ اقوال مذکور ہیں جن میں سے ایک جدید نظریات کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) اپنی تفسیر میں ابن زید کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان میں وسعت دینا ہے۔

(القول) الثانی: لمومعون السماء، قاله ابن زید. ج

چنانچہ آج فلکیاتی نقطہ نظر سے ہماری کائنات (اپنی وسیع کھکشاؤں سمیت) کے آغاز و انجام کے بارے میں جو مقبول ترین نظریہ ہے وہ ”نظریہ عظیم دھماکہ“ (بگ بینگ تیوری) کہلاتا ہے۔ جس کی رو سے ہماری پوری کائنات ابتداء گیس کے ایک گولے کی شکل میں تھی۔ جس میں ایک عظیم دھماکہ ہوا اور اس مادہ کے اجزاء بکھر کر کھکشاؤں اور ستاروں کے روپ میں ظاہر ہو گئے۔ اور کھکشاؤں کی یہ کائنات مسلسل پھیلتی جا رہی ہے۔ کیونکہ دور بینی مشاہدہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کھکشاؤں کا فاصلہ باہم بڑھتا جا رہا ہے اور وہ ایک دوسرے سے دور ہوتی جا رہی ہیں۔ پھر جب پھیلتے پھیلتے اپنی آخری حد تک پہنچ جائیں گی اور حرید پھیلاؤ کے لئے گنجائش باقی نہیں رہے گی تو اس وقت سکڑنے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ اور پھر تمام کھکشاؤں (اپنے کھربوں کھربوں ستاروں سمیت) سکڑتے سکڑتے پھر اسی نقطہ تک پہنچ جائیں گی جہاں سے ان کا آغاز ہوا تھا۔ نتیجہ یہ کہ پھر ایک زبردست اور خوفناک قسم کا دھماکہ ہوگا جس کے نتیجہ میں یہ پوری کائنات ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اور اس کے بعد یہ عمل اسی طرح برابر جاری رہے گا۔ اور یہ نظریہ پہلی بار ۱۹۲۷ء میں قائم کیا گیا تھا۔

چنانچہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ ابتدائی دھماکہ تقریباً ۱۵ ارب سال پہلے واقع ہوا تھا۔

Big Bang theory, the most generally accepted in cosmology which states that the universe began in primordial explosion about 15 billion years age. ۵

واضح رہے اگرچہ یہ ایک نظریہ ہے جس کی ابھی تک پوری طرح تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ لیکن اگر کوئی نظریہ قرآنی نصوص (واضح بیانات) سے بغیر کسی تاویل کے پوری طرح ہم آہنگ ہو جائے تو اسے رد کرنے کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ نظریہ بدل بھی جائے تو قرآن کا وہ مفہوم جو منصوص طور پر ثابت ہے وہ کسی بھی طرح بدل نہیں سکے گا۔ بلکہ اس کی جگہ کوئی اور اچھا سا مفہوم جو اس کی صداقت کو واضح کرنے والا ہو نکل آئے گا۔ جیسا کہ خود سابقہ مفسرین کے بیان کئے ہوئے بہت سے معانی و مطالب جدیدہ اکتشافات کے تحت بدلتے رہتے ہیں، جن کی وجہ سے قرآن عظیم کی قطعیت پر کوئی

حرف نہیں آتا۔ مگر میں ان سب کی مثالیں دینا شروع کر دوں تو اس سے ایک ضخیم کتاب وجود میں آ سکتی ہے۔ لہذا قرآن حکیم کی نئی تفسیر کرنے کے سلسلے میں آج کل جو شبہ پیدا کیا جاتا ہے وہ بے بنیاد ہے۔ اور اس موضوع پر راقم سطور نے مفصل بحث اپنی ایک دوسری کتاب میں کی ہے۔

## آسمان اور جدید سائنس

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ قرآن کی نظر میں سماء سے مراد (اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے) یہ پورا سلسلہ وجود ہے اور بقیہ چھ مساوات اس کے علاوہ ہیں جو ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

بہر حال قرآن حکیم کی نظر میں جہاں کہیں بھی ”آسمان“ کے پھٹنے اور اس کے شق ہونے کا بیان ہے تو اس سے مراد یہی پورا ”عالم شہود“ ہے، جس میں تمام اجرام سماوی اور جملہ کھشائیں بھی شامل ہیں۔ اور اس توجہ و تفسیر سے جدید حلقوں کی اس بے اعتباری کا ماحول بھی ختم ہو سکتا ہے جو قرآنی نظریہ مساوات کے سلسلے میں آج پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ جدید سائنس کا نظریہ یہ ہے کہ ”آسمان“ کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھوں کو دکھائی دینے والی ”نیلی چادر“ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ خلاؤں میں یہ ”آسمان“ سیاہ نظر آتا ہے۔ جیسا کہ خلا بازوں نے اس سلسلے میں مشاہدہ کیا ہے۔ نیز مشاہدہ سے یہ بھی بخوبی ظاہر ہو گیا ہے کہ زمین سے نظر آنے والی یہ نیلی چیز اور خلاؤں سے دکھائی دینے والی سیاہ چیز کوئی ٹھوس شے نہیں، بلکہ حد نظر کا محض ایک منظر ہے۔ لہذا ایک مشاہداتی چیز کا انکار دین کی نظر میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے سائنس دانوں اور سائنس کو محج ماننے والوں کی نظر میں دین غیر معیہ قرار پا سکتا ہے، جیسا کہ اس سلسلے میں امام غزالیؒ نے تحریر کیا ہے: ”وہ ثابت شدہ حقائق جو اصول دین سے متصادم نہ ہوں ان میں جھگڑا کرنا جائز نہیں ہے“۔ ۱۶ اور قرآن عظیم نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ آسمان کا رنگ ”نیلا“ ہے یا ہماری آنکھوں کو نظر آنے والی نیلی چادر ہی آسمان ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم حد درجہ حکیمانہ کلام ہے جس میں اس قسم کی کوئی بات مذکور نہیں جسے جدید سے جدید تر اکتشافات چیلنج کر سکیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن عظیم کی تصریح کے مطابق ایک ”ٹھوس آسمان“ کا وجود ضرور ہے جسے وہ ”سقف محفوظ“ قرار دیتا ہے۔ اور دنیائے سائنس کی ابھی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ اور اس کی حقیقت اس پر تب کھلے گی جب ہماری ”پھیلتی ہوئی“ کائنات چاروں طرف سے بند اس چھت سے ٹکرا کر اپنے ”مرکز“ کی طرف لوٹنا شروع ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں پھر ایک عظیم دھماکہ ہوگا۔ جیسا کہ خود سائنس دانوں کا نظریہ ہے۔ اور اس چھت کے پرے بقیہ چھ مساوات واقع ہیں، جن کی حقیقت سے انسان واقف نہیں ہے۔ بہر حال اس سلسلے میں ارشاد باری ہے جو ”نقص قطعی“ کی حیثیت رکھتا ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْفًا مَّحْفُوظًا، وَهُمْ عَنْ آبَائِهَا مَغْرُضُونَ : اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے۔ (مگر) یہ لوگ اُس کی نشانیوں سے اعراض کر رہے ہیں۔ (انبیاء: ۲۲)

### کائنات کا ڈراپ سین

ظاہر ہے کہ پھیلتی ہوئی کائنات کا دوبارہ اپنے مرکز کی طرف واپس آنا کسی ٹھوس چیز سے ٹکرانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لہذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری یہ پوری مشہود کائنات کسی عظیم ترین ”گنبد“ میں بند ہے، جہاں تک سائنس کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔

اس بحث سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ قرآن عظیم کی نظر میں آسمان یا سماء کا مفہوم کیا ہے۔ لہذا اب ملاحظہ فرمائیے قرآن کی وہ آیات جن میں سماء یا پوری کائنات کے پھٹنے کا تذکرہ موجود ہے، جو اختتام کائنات سے مہارت ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ. وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ : جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے۔ (انفطار: ۱-۲)

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ : جب آسمان شق ہو جائے گا۔ (المحاق: ۱)  
فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً. فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِبَةٌ :

جب سور یکبارگی پھونکا جائے گا۔ اور زمین اور پہاڑ ایک ہی ٹپٹی میں پھوٹ کر دیئے جائیں گے۔ اس دن برپا ہونے والی چیز (قیامت) برپا ہو جائے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا، جو اس دن بالکل پورا ہوگا۔ (حاقہ: ۱۳-۱۶)

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ. وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ. وَإِذَا الْجِبَالُ بُعِثَتْ. وَإِذَا الرُّشُلُ أُنْفِثَتْ. لَا يَأْتِي نِزْمٌ أُجِلَّتْ. لَيَوْمِ الْفَضْلِ.

جب ستارے مٹا دیئے جائیں گے۔ جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔ پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے۔ اور تمام رسولوں کو وقت مقررہ پر جمع کیا جائے گا۔ یہ تاخیر کس دن کے لئے کی گئی؟ نیلے کے دن کے لئے۔ (مرسلات: ۸-۱۳)

السَّمَاءُ مُنْفِطِرَةٌ بِهِ، كَانَ وَغَدُهُ مَفْعُولًا: (اس دن) آسمان پھٹ جائے گا۔ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ (مزل: ۱۸)

ان آیات میں آسمان کے لئے انفطار، الشقاق اور فرج کے الفاظ لائے گئے ہیں جو ہم معنی ہیں، یعنی پھٹنا۔ اور چونکہ آسمان ستاروں اور سیاروں سے عبارت ہے اس لئے آسمان کے پھٹنے کا مطلب ہے تمام ستارے اور سیارے پھٹ کر بکھر جائیں گے۔ اس لحاظ سے اوپر مذکور سورۃ انفطار کی پہلی آیت میں آسمان کے پھٹنے کا جو تذکرہ ہے اس کی مزید وضاحت بعد والی آیت (وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْفَطَرَتْ) کر رہی ہے۔ یعنی آسمان کے پھٹنے کی کیفیت کیا ہوگی؟ تو اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ تمام ستارے جھڑ پڑیں گے یا بکھر جائیں گے۔ اور یہ ستارے کس طرح جھڑ پڑیں گے؟ تو اس حقیقت پر سورۃ ہکھر کی پہلی آیت روشنی ڈال رہی ہے کہ وہ ہمارے سورج کی طرح یا تو بے نور ہو جائیں گے یا پھر اچانک دھماکوں سے پھٹ پڑیں گے، جس کی تفصیل پچھلے مضمون میں بیان کی جا چکی ہے۔ یہ اور اس اعتبار سے یہ تمام آیاتیں ایک ہی مفہوم پر دلالت کر رہی ہیں۔ اور ان میں کوئی متضاد نہیں ہے واللہ اعلم۔

## آسمان کے دروازے

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ قرآن حکیم میں جہاں کہیں بھی آسمان کے پھٹنے اور اُس کے ٹکڑے کر کے پھینک دینے کا ذکر آیا ہے وہاں پر صرف لفظ سماء (واحد) آیا ہے، سماءات (جمع) کا لفظ نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ختم ہونے والا آسمان صرف ہمارا ہی آسمان ہے اور بقیہ چھ آسمان بالکل محفوظ رہیں گے۔ یہ بھی اس بات کا ایک ثبوت ہے کہ ان آیات میں آسمان سے مراد صرف عالم شہود یا آسمان اول ہے، اور بقیہ چھ آسمان اس کے علاوہ ہیں جو ہماری نظروں سے مستور ہیں۔ اور قرآن عظیم یہ بھی انکشاف کرتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان اول کے دروازے کھول دئے جائیں گے، جو ایک ”مضبوط چھت“ یا گنبد کی شکل میں ہے:

إِنَّ يَوْمَ الْفَاضِلِ كَانَ مِيقَاتًا. يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا. وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا.

فیصلہ کا دن یقیناً متعین ہے۔ جس دن کہ صور پھونکا جائے گا تو تم سب گروہوں کی شکل میں (ہمارے رو بہ رو) حاضر ہو جاؤ گے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو (اس میں) دروازے کھل آئیں گے۔ (نبا: ۱۷-۱۹)

اور اس کا مزید ثبوت وہ حدیثیں ہیں جو واقعہ معراج سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب رسول اکرم ﷺ کو لے کر آسمان کی سیر کے لئے روانہ ہوئے تو سب سے پہلے آسمان اول تک پہنچے اور اس کے متعدد دروازوں میں سے ایک دروازہ کھلوا دیا، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے:

ثم عرج به إلى السماء الدنيا، فضرب بابا من ابوابها. فناداه اهل السماء من هنا؟ فقال جبرئيل. قالوا ومن معك؟ قال معي محمد.....

پھر جبرئیل حضرت محمد ﷺ کو لے کر ”نزدیکی آسمان“ تک پہنچے اور اُس کے (متعدد)



## سورج کی موت اور قیامت

دروازوں سے ایک دروازہ کھٹکھٹایا تو آسمان والوں نے پکار کر پوچھا کہ کون ہے؟ تو کہا جبرئیل۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا کہ محمد۔

بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے:

فَلَمَّا جَنَّتْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِئِيلُ لَخَازِنِ السَّمَاءِ الْفُجَّ: جِبْ مِنْ آسَمَانٍ دُنْيَا لَكَ يَهْنَأُ جِبْرِئِيلُ نَ آسَمَانٍ كَ الْخَازِنِ سَ كَمَا كَ (دروازہ) کھولو۔  
قرآن اور حدیث کے اس متفقہ بیان کے بعد اس بارے میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہ جاتا کہ آسمان کا وجود اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے، جس کی نقاب کشائی کرنا سائنس کی ذمہ داری ہے۔

## نُورج یا کائناتی جزائر

اس اعتبار سے یہ آسمانی چھت دُور بینوں سے نظر آنے والی کھٹکھاؤں (کیلکسیں) سے پرے ہونی چاہئے۔ بالفاظ دیگر دُور بینوں سے نظر آنے والی تمام کھٹکھائیں ”سائے دنیا“ یا قرعی آسمان کے اندر واقع ہیں۔ اور اس کا حرید ثبوت حسب ذیل آیات میں مذکور لفظ ”نُورج“ ہے جس سے مراد مشہور بارہ آسمانی بُرجوں کے علاوہ کھٹکھائیں (ستاروں کے مجموعے) بھی ہو سکتے ہیں:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ: یقیناً ہم نے آسمان میں (بہت

سے) بُرج بنادئے ہیں اور انہیں بخور دیکھنے والوں کے لئے مُزین کر دیا ہے۔ (حجر: ۱۶)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ: (ہاں ہاں) یہ بُرجوں والا آسمان بھی شاہد ہے۔ (نُورج: ۱)

تفسیروں میں نُورج کے کئی معانی مذکور ہیں۔ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں

تین اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد آسمان کے مشہور بارہ بُرج ہیں، جن میں سورج داخل ہوتا ہے۔ (۲)

اس سے مراد چاند کی منزلیں ہیں۔ (۳) اس سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔

ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) نے لکھا ہے کہ اہل علم کا اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔ چنانچہ

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے مراد ٹھور (محل) ہیں جو آسمان میں واقع ہیں:

قال ابن عباس لصور في السماء.

بعض کے نزدیک اس سے مراد ستارے ہیں۔ اور بعض نے اس کی تاویل اس طرح کی

ہے: والسماء ذات الہروج سے مراد السماء ذات النجوم ہے۔ ال

اس اعتبار سے بروج کے معنی میں کافی وسعت پائی جاتی ہے۔ اور ان سب اقوال کا حاصل

ایک ہی ہے۔ کیونکہ جس طرح مشہور بارہ بروج ستاروں کے مجموعے ہیں اسی طرح کہکشاں بھی

ستاروں کے مجموعوں ہی کا نام ہے۔ فرق یہ ہے کہ بارہ بروجوں میں صرف چند ستارے ہوتے ہیں۔ جب

کہ کہکشاں لاقعداد (اور ایک مولے اندازہ کے مطابق ایک کہکشاں میں کم از کم ایک کھرب)

ستارے ہوتے ہیں۔ چنانچہ سائنسی نقطہ نظر سے اس کی تعریف اور وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

کہکشاں (گیلیکسی) سے مراد ستاروں (نجی) گرد اور گیس کا مجموعہ ہے، جس کا کل وزن ہمارے سورج

کے مقابلے میں دس لاکھ سے لے کر سو کھرب تک ہے۔ دودھیا راستہ (ملکی دے) ہماری اپنی کہکشاں

ہے۔ اور سورج اس کہکشاں میں موجود ایک کھرب ستاروں کے مقابلے میں صرف ایک ستارہ ہے۔ تاہم

۱۹۲۰ء کے دہے تک کہکشاؤں کی صحیح ساخت کے بارے میں جانکاری نہیں تھی، جب کہ شدید جدوجہد

کے بعد ان کے طبیعی احوال معلوم کر لئے گئے۔ چنانچہ مائکروٹ ویس میں نصب شدہ سوانچ قطر والی عکس

دور بین (ریفلیکٹر) اس مقصد کے لئے استعمال کی گئی۔ اس کے نتیجے میں ”انڈرومیڈا“ کہکشاں میں

واقع انفرادی ستاروں کا تصور حاصل ہوا۔

Galaxy, an association of stars, dust and gas, with a total mass ranging from  $10^6$  to  $10^{13}$  times the mass of the sun. The Milky Way is our own galaxy, and the Sun is only one star of the 100 billion stars in it. The true character of galaxies was not discovered until the 1920s when the very intense debate concerning their nature was finally resolved. Telescopes prior to this period showed them as diffuse areas of light, resembling nebulae, but the 100-inch (2.5 m) reflector at the Mount Wilson Observatory, first used in the 1920s, gave

images of some individual stars in the Andromeda Galaxy showing it to be a galaxy rather than a nebula. ۱۲

واقعہ یہ ہے کہ اس صدی کی دوسری چوتھائی کے دوران ماہرین فلکیات بتدریج اس حقیقت سے واقف ہوئے کہ بہت سے ماند اور مدہم ”سحابیے“ (نیبولاس) جو ہمارے آسمان کو آباد کئے ہوئے ہیں، وہ حقیقتاً ستاروں کے عظیم جزیرے ہیں جو ہماری کہکشاں سے پرے واقع ہیں۔ ایک مثالی اور بڑی کہکشاں، جیسے ہماری چکروار کہکشاں، ایک کمرب ستاروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور ہماری کائنات میں دور بینوں سے دکھائی دینے والی اربوں کہکشائیں موجود ہیں۔ اور یہ تمام کہکشائیں قرآن عظیم کی صراحت کے مطابق ”وَرَبَّاهَا لِلنَّاصِرِينَ“ کی شکل میں ”بحال ربوبیت کا“ نظارہ فراہم کرتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے یہ ”آسمانی مروج“ وہ ”کائناتی جزیرے“ ہیں جن پر حضرت ابن عباس کا قول ”قصور السماء“ کے الفاظ ٹھیک ٹھیک صادق آتے ہیں۔

اس بحث سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ یہ پوری کائنات قرآنی نقطہ نظر سے چاروں طرف سے ایک ”ٹھوس“ چیز سے گھری ہوئی ہے، جسے بعض مواقع پر ”ہیاء“ اور بعض مواقع پر ”سقف محفوظ“ کہا گیا ہے۔

## آسمانی دنیا کی محیر العقول وسعت

الغرض ہمارے آسمان (سائے دنیا) کی وسعت اس قدر زیادہ ہے کہ اس سلسلے کے محیر العقول اعداد و شمار سے سرچکرا لے لگتا ہے۔ ہماری اس مشہود کائنات کے بعض اجرام اس قدر بعید قاصطے پر واقع ہیں کہ ان کی روشنی ان کے وجود کے بعد سے لے کر اب تک ہماری زمین تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ حالانکہ روشنی ایک سکند میں ۱۸۶۰۰۰ میل کا فاصلہ طے کرتی ہے اور ہماری کائنات کو وجود میں آئے ہوئے تقریباً دس ارب سال گزر چکے ہیں۔ جس کہکشاں میں ہمارا سورج واقع ہے اُس میں کم از کم ایک کمرب ستارے موجود ہیں۔ اور اس کہکشاں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کا فاصلہ ایک لاکھ نوری سال ہے۔ جب کہ بعض کہکشاؤں کا قطر چند ہزار نوری سال سے لے کر نصف بلین (پانچ

لاکھ) نوری سال تک ہے۔

Galaxies range in diameter from a few thousand to half a million light-years. ۱۳

روشنی ایک سال میں ۹۴۶,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ کیلو میٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ کہکشاں اپنی جسامت اور شکل و صورت میں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کہکشاں چکر دار اور بعض بیضوی شکل کی ہوتی ہیں۔ اور یہ مختلف شکل و صورت کی کہکشاں متحدہ گروہوں میں منقسم ہیں۔ ہماری کہکشاں (مکلی وے) جس گروہ میں ہے اُس میں بیس کہکشاں موجود ہیں اور ان کا قطر تین بلین (تیس لاکھ) نوری سال ہے۔ اس مجموعے میں ”انڈرومیڈا“ کہکشاں بیس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔

Our own galaxy is a member of the "local group" an association of about 20 galaxies, only one of which is the Andromeda galaxy. The local group is about three million light-years away. ۱۴

ہماری کہکشاں کے مجموعے سے قریب ترین کہکشاں کا بڑا مجموعہ ”ورگو“ ہے، جو تیس بلین (تین کروڑ) نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔

The nearest large cluster of galaxies is in Virgo, about 30 million light-years distant. ۱۵

ماہرین فلکیات کے اندازے کے مطابق کہکشاں کے یہ مجموعے یا گروہ مل کر ”سوپر گروہیں“ کی تشکیل کرتے ہیں (یعنی بہت سے مجموعے مل کر ایک گروہ بن جاتے ہیں) جن میں تقریباً ایک سو مجموعے ہوتے ہیں، جو ایک سو بلین (دس کروڑ) نوری سال کے فاصلے میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

Some astronomers have argued that there is evidence that clusters are grouped into super clusters of perhaps 100 members, spread over 100 million light-years. ۱۶

ہماری معلوم شدہ کائنات میں اس طرح کے لاکھوں کروڑوں مجموعے ہیں، جن میں اربوں کہکشاں پائی جاتی ہیں۔ اور ہماری بعید ترین کہکشاں کا فاصلہ ہماری زمین سے اربوں نوری سال

کے فاصلے پر ہے۔ چنانچہ مختلف دریافت شدہ کہکشاؤں کی شناخت کے لئے انہیں خصوصی نمبر دئے گئے ہیں۔ مثلاً انڈر ویڈا میں واقع ”بڑے سماہیہ“ (گریٹ نیبولا) کو M31 کا نمبر دیا گیا ہے۔ اور ان نمبروں کے ذریعہ ان کا محل وقوع معلوم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ کہکشاں M33 ہماری زمین سے بیس لاکھ فوری سال کے فاصلے پر ہے۔

”ہیکو سکی“ نامی مجموعہ کہکشاں سے روشنی ہماری طرف پانچ ارب سال پہلے آنی شروع ہوئی تھی۔ اس لئے ہم یقین کر سکتے ہیں کہ بعض کہکشاں اس سے زیادہ قدیم ہوں گی۔ ایک اندازہ کے مطابق ہماری اور دیگر کہکشاں دس ارب سال سے زیادہ قدیم نہیں ہیں۔ (حوالہ مذکور)

بہر حال فلکیات کی دنیا میں بیسویں صدی کی سب سے زیادہ دلچسپ اور رعب دار دریافت ہماری کائنات میں اربوں کہکشاؤں کا وجود ہے، جو منظم طور پر ایک دوسرے سے پیچھے ہٹ رہی ہیں۔

Perhaps the most startling discovery made in astronomy this century is that the universe is populated by billions of galaxies and that they are systematically receding from one another. ۱۱

اور یہ اندازہ ”نظریہ عظیم دھماکہ“ (بگ بینک تصوری) کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کی رُو سے جب ہماری اس معلوم کائنات کا پورا مادہ باہم ملا ہوا تھا تو اس میں ایک عظیم دھماکہ ہوا، جس کے نتیجے میں تمام کہکشاں اور ستارے وسیارے وجود میں آئے۔ اور یہ تمام ستارے اور اُن کے مجموعے (کہکشاں) تب سے اب تک برابر پھلتے چلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ پچھلے صفحات میں پیش کردہ ایک قرآنی آیت (ذاریات: ۴۷) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

غرض کہکشاؤں کی دنیا بہت زیادہ دلچسپ اور بصیرت افروز ہے جو قدرت خداوندی کا ایک بے مثال مظہر اور اُس کی عظمت و کبریائی کی دلیل ناطق ہے۔ اور اس کے نظارہ سے ہمارے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ حسب ذیل آیت کریمہ کے عین مطابق ہے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاطِلِينَ.

اور ہم نے آسمان میں بہت سے نروج (ستاروں کے مجموعے) بنائے ہیں اور انہیں نور سے دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کر دیا ہے۔ (حجر: ۱۶)

ماہرین فلکیات اب تک لاکھوں کہکشاؤں کی تصویریں دور بینوں کی مدد سے اُتار چکے ہیں، جن میں سے بعض فلکیات کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور بعض تصویریں مذکورہ بالا کتاب ”تذکرۃ تیسرے ان اسٹرائی“ میں بھی موجود ہیں۔ ہر کہکشاں کی اپنی ایک الگ پہچان ہے، جو ایک دوسرے سے مختلف و منفرد دکھائی دیتی ہے۔ ابتداء میں یہ کہکشاؤں ”روشن سماویوں“ کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ مگر طاقتور دور بینوں کے ذریعہ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ سب ستاروں کے مجموعے ہیں، جن میں سے بعض ہمارے سورج سے بھی کئی گنا بڑے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کہکشاؤں ”ستاروں کے شہر“ یا ”کائنات کے جزائر“ ہیں۔ ان میں بعض عجیب و غریب اجرام بھی موجود ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ارہوں نوری سال کے فاصلے پر واقع ان کہکشاؤں کے ملاحظے سے ہماری کائنات کی حیرت انگیز وسعتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس فاصلے کو میلوں کے عدد میں ظاہر کرنا ناممکن ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ایسے خلائی جہاز کے ذریعہ سفر کرنا شروع کر دے جو روشنی کی رفتار سے چلتا ہو تب بھی وہ پوری کائنات تو درکنار ایک کہکشاں سے دوسری تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ وہ راستے ہی میں بوڑھا ہو کر ختم ہو جائے گا۔

## عرش کے مقابلے میں سات آسمانوں کی حیثیت

بہر حال قرآنی دلائل کے مطابق راقم سطور کی نظر میں ہماری یہ پوری کائنات آسمان اول کے اندر واقع ہے۔ اور بقیہ چھ آسمان اس کے علاوہ ہیں، جو ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔ اور مستقبل میں مزید جتنی بھی کہکشاؤں دریافت کی جائیں گی وہ سب کی سب آسمان اول ہی کا حصہ ہوں گی۔ کیونکہ ”نظر آنے والی“ یا مشہود کائنات بھن قرآنی ”سمائے دنیا“ میں واقع ہے۔ آسمان دنیا کے ملاحظے سے بقیہ چھ آسمانوں کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ ساتوں آسمان اپنی حیرت انگیز وسعتوں کے باوجود عرش الہی کے مقابلے میں ایک رتی سی چیز کے مانند ہیں، جیسا کہ حسب ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے:

عن ابي ذر قال: قلت يا رسول الله ايها النزل عليك اعظم؟ قال آية الكرسي، ثم قال يا ابا ذر ما السماوات السبع مع الكرسي إلا كحلقة ملقاة بارض فلاة. وفضل العرش على الكرسي كفضل الفلاة على الحلقة.

حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ: میں نے پوچھا کہ یا رسول آپ پر سب سے عظیم (آیت) کونسی نازل ہوئی؟ آپ نے فرمایا کہ آیت الکرسی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابو ذر ساتوں آسمان کرسی سمیت ایک حلقے (یا ایک رتی سی چیز) کی طرح ہیں جو ایک وسیع بیابان میں ڈال دیا گیا ہو۔ اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہی ہے جیسے ایک وسیع بیابان میں ایک (چھوٹا سا) حلقہ۔ ۱۸

سات آسمانوں کے اوپر جنت ہے اور جنت کے اوپر عرش الہی ہے۔ چنانچہ جنت کی وسعت ہمارے آسمان جیسے سو آسمانوں کی وسعت کے برابر ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے:

إن في الجنة مائة درجة، أعدّها الله للمجاهدين في سبيله. كل درجة بينهما بينهما كما بين السماء والارض. فإذا سألتم الله فاستلوها الفردوس. فإنه اوسط الجنة واعلى الجنة. وفوقه عرش الرحمن، ومنه تفجر انهار الجنة.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں، جن کو اللہ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔ جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو۔ کیونکہ وہ جنت کا درمیانی اور اونچا مقام ہے۔ جنت الفردوس کے اوپر اللہ کا عرش ہے، اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ ۱۹

## زمین اور آسمان اللہ کی مٹھی میں

ان مہیب اور حیرتناک اعداد و شمار کی رُو سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ پوری کائنات (ساتوں آسمانوں اور جنت سمیت) کس قدر وسیع و بے کراں ہوگی۔ یہ پوری کائنات عرش الہی کے

آسمان کیا ہے؟

مقابلے میں ایک حقیری چیز ہے جو اُس کی مٹھی میں سما جائے گی۔ چنانچہ باری تعالیٰ قیامت کے موقع پر اس پوری کائنات کو ایک ہاتھ میں اٹھالے گا، جیسا کہ اس سلسلے کی صحیح ترین حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

عن ابن مسعود قال جاء حبر من الاحبار إلى النبي ﷺ فقال يا محمد انا نحمد ان الله يجعل السماوات على اصبع، والارضين على اصبع، والشجر على اصبع، والماء والثرى على اصبع، وسائر الخلق على اصبع. فيقول انا الملك. فضحك النبي ﷺ حتى بدت نواجذه، تصديقاً لقول الحبر. ثم قرأ رسول الله ﷺ وما قدر الله حق قدره.

ابن مسعود سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے محمد ہم (اپنی کتابوں میں) لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے موقع پر) آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا، اسی طرح زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور کہے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ تو نبی کریم ﷺ یہودی عالم کی تصدیق کے طور پر ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی، جس کا مفہوم یہ ہے: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اور یہ پوری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی۔ اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ ■  
مشرکوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ ۲۰ (زمر: ۶۷)

اس سلسلے کی ایک دوسری حدیث ہے:

يقبض الله الارض ويطوي السماء بيمينه، ثم يقول انا الملك، اين

ملوك الارض.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قیامت کے موقع پر) اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضے میں لے لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں کر لے گا۔ پھر کہے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ ■



ایک اور روایت کے مطابق وہ فرمائے گا کہ میں ہی (حقیقی) بادشاہ ہوں، کہاں ہیں (دنیا کے) جبار اور منکبر لوگ؟ ۲۲

اس بحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱- ہماری معلوم و مشہور کائنات سمائے دنیا یا آسمان اول میں داخل ہے، جو ”سقف محفوظ“ کے اندر واقع ہے۔ اور اس سقف محفوظ تک سائنس کی ابھی تک رسائی نہیں ہو سکی ہے۔

۲- بقیہ چھ آسمان اس کے علاوہ ہیں، جو ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔

۳- ہماری یہ زمین اور ساتوں آسمان ”کرسی“ کے مقابلے میں بے وقعت ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کرسی ساتوں آسمانوں کی ”پوری کائنات“ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (وَمِيعَ كُرْسِيِّهٖ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ)۔

۴- ساتوں آسمانوں کی پوری کائنات کرسی سمیت عرش الہی کے مقابلے میں ایک وسیع پہاڑ میں ایک رتی سی چیز کے مانند ہے۔

۵- قیامت کے موقع پر ساتوں آسمان (ارہوں کھربوں کہکشاؤں اور لاتعداد وہن گت ستاروں اور سیاروں سمیت) اور ان میں موجود تمام مخلوقات خدائے ذوالجلال کے داہنے ہاتھ میں (ایک چھوٹی سی گیند کے مانند) ہوں گے۔ ۲۳ اس سے خدائے جبار و قہار کی عظمت و بزرگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۶- اس بحث کا خاص الخاص نکتہ یہ ہے کہ خالق ارض و سادات کا وجود حقیقی و واقعی ہے، نہ کہ قدیم متکلمین کے نظریہ کے مطابق محض ”ہیٹ“ یا وہمی، جنہوں نے یونانی فلسفے سے متاثر ہو کر بے کار اور لاطائل بحثیں چھیڑ دی تھیں۔

۷- اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے الگ (بائن) ہے اور وہ عرش پر براجمان ہو کر سارے جہاں پر حکمرانی کر رہا ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيْسَ بِسِنَةِ أَيَّامٍ لِّمَنۢ لَّمۡ يَسْتَوْعِبۡ عِلْمَ السَّاعَةِ، يَغْشَى السَّابِغَ الْبَحْرَ بِطَلَقِهَا وَالتَّحْمَسَ وَالْقَمَرَ وَالنَّجُومَ مُسْتَحْرَاتٍ بِأَمْرِهِ،

آسمان کیا ہے؟

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْآخِرُ، تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔

تمہارا رب یقیناً اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن (چھ مدارج) میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مُسَوًی ہوا۔ = رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے جو اُس کے پیچھے تیزی سے آ جاتی ہے۔ اور سورج، چاند اور ستارے (سب کے سب) اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ جان لو کہ (تمام مخلوقات کو) پیدا کرنا اور اُن پر حکم چلانا اُسی کا کام ہے۔ اللہ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ (احزاب: ۵۴)

### ایک اشکال اور اس کا جواب

اوپر راقم سطور نے سائے دنیا یا آسمان اول کی جو تفسیر و توجیہ کی ہے اس پر بعض آیات کی رو سے ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ ساتوں آسمان مشہور اور اوپر تلے (ایک کے اوپر ایک) موجود ہیں، جیسا کہ سورہ نوح کی آیت سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے:

أَلَمْ تَرَوْا كُنُفَ خُلِقَ اللَّهُ مَنبَعٌ مِّنْ سَمَٰوَاتٍ طِبَاقًا. وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا  
وَجَعَلَ الشَّمْسُ مِرَآجًا.

کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اللہ نے سات آسمان ایک کے اوپر ایک کس طرح پیدا کئے ہیں اور ان میں چاند کو روشن اور سورج کو چراغ بنا دیا ہے۔ (نوح: ۱۶-۱۷)

یہاں پر لفظ ”الم تر“ کا اطلاق دو معنوں پر ہو سکتا ہے: (۱) اگر اس کے معنی مشاہدہ کے لئے جائیں تو اس صورت میں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ساتوں آسمان جو ”اوپر تلے“ ہیں وہ انسانوں کے مشاہدے میں ہیں۔ (۲) اور اگر اس کے معنی ”علم“ کے لئے جائیں تو اس صورت میں ان کا مشاہدہ میں آنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اوپر راقم سطور نے سات آسمانوں کی جو تاویل کی ہے وہ اس نقطہ نظر سے صحیح ہو جائے گی۔

اس موقع پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سات آسمانوں کے لئے ایک ہی سورج اور ایک

ہی چاند کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے؟ حالانکہ خود ہمارے آسمان (آسمان اول) میں بے شمار کہکشاں اور بے شمار سورج موجود ہیں اور اسی حساب سے بے شمار چاند بھی موجود ہوں گے۔ تو اس کا جواب دو طرح سے ہے: ایک یہ کہ ہماری آنکھوں کو چونکہ (بغیر دوربین کے) ایک ہی چاند اور ایک ہی سورج نظر آتا ہے اس لئے ایسا کہا گیا۔ دوسرے یہ کہ اہل زمین کے لئے چونکہ ہمارے چاند اور سورج کی اہمیت زیادہ ہے اس لئے ایسا کہا گیا۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں بجائے سات آسمانوں کے صرف ایک آسمان کا تذکرہ کرنے کے بعد متعدد کہکشاؤں کی موجودگی کی خبر دی گئی ہے۔ پھر ان میں ہماری زمین والوں کی اہمیت کے نقطہ نظر سے ایک سورج اور ایک چاند کا ذکر آیا ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا مِيزَانًا وَقَمَرًا مُنِيرًا.

بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں (بہت سے) بُرج (ستاروں کے جھرمٹ) بنا دیے اور اس میں ایک چراغ (سورج) اور ایک چاند بنا دیا۔ (فرقان: ۶۱)

ظاہر ہے کہ پورے آسمان اور اس میں موجود تمام بُرج (کہکشاؤں) میں صرف ایک ہی سورج اور ایک ہی چاند ہونا خلاف واقعہ بات ہے۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ دور قدیم میں یونانیوں کا آسمانوں کے بارے میں جو نظریہ تھا وہ حد درجہ معطل کنیز تھا۔ چنانچہ وہ ایسے سات "افلاک" کے قائل تھے جو پیاز کے چٹکوں کی طرح ایک کے اوپر ایک باہم ملے ہوئے تھے اور دن رات میں ایک چکر پورا کر لیا کرتے تھے۔ اور چاند سورج اور دیگر سیارے ان افلاک میں جڑے ہوئے خود بھی دن رات میں ایک چکر لگایا کرتے تھے۔

## نو آسمانوں کا غلط نظریہ

موجودہ علم و تحقیق اور رؤیت و مشاہدہ کے دور میں اس قسم کے قدیم نظریات جو محض عن و تخمین کا نتیجہ تھے خرافات معلوم ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سات آسمانوں کے وجود کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

آسمان کیا ہے؟

لَمْ اسْتَوْعِ إِلَى السَّمَاءِ فَمَوْاهُنْ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ: پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اسے (مجھے کر کے) سات آسمان بتا دئے۔ (بقرہ: ۲۹)

سات آسمانوں کے وجود پر یہ ایک ”نہن قطعی“ ہے، جس کی تائید دیگر آیات سے بھی ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کے بیانات میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خدائے عظیم و خیر کے علم ازلی پر مبنی کلام ہے، جس میں خلاف واقعہ بات کا گز نہیں ہو سکتا۔ مگر دور قدیم میں یونانی نظریات سے متاثر ہو کر بعض مفسرین نے سات آسمانوں کے وجود میں شک کرتے ہوئے یونانی نظریات سے مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے کہہ دیا کہ قرآن میں سات آسمانوں کے تذکرے سے اُن کے زیادہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ فلسفہ یونان میں نو آسمانوں (الفلک) کا وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام رازی جیسے فاضل فلسفہ نے اس سلسلے میں تذبذب کا اظہار اس طرح کر دیا ہے:

فَبِأَن قَال لَّائِل فَهَلْ يَدُل الْعَنصِيصُ عَلَى سَبْعِ سَمَاوَاتٍ عَلَى نَفْيِ الْعَدَدِ

الزائد؟ قلنا الحق ان تنصيص العدد بالذکر لا يدل على نفي الزائد . ۲۳

یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ کیا سات آسمانوں کا بیان عدد زائد کی نفی کرتا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اس عدد (سات) کا تذکرہ زائد کی نفی نہیں کرتا۔

واضح رہے یونانی نظریات کے مطابق ہمارے نظام شمسی کے بعض سیاروں کو سب آفتاب کے سات آسمان (الفلک) قرار دے دیا گیا تھا، جس کی تفصیل اس طرح ہے: (۱) چاند (۲) عطارد (۳) زہرہ (۴) آفتاب (۵) مریخ (۶) مشتری (۷) اور زحل۔ ۲۵ ان سات الفلاک کے علاوہ مزید دو الفلاک کا وجود بھی مانا گیا تھا۔ چنانچہ آٹھویں فلک کو ”فلک البروج“ اور نویں کو فلک الافلاک کہا گیا ہے۔ اور یونانیوں کا نظریہ یہ تھا کہ تمام ستارے آٹھویں فلک میں جڑے ہوئے ہیں۔ اور افلاک چھٹے شعبے کی طرح شفاف ہیں اس لئے وہ سب ہم کو پہلے فلک میں جڑے ہوئے معلوم پڑتے ہیں۔ اور نوں فلک تمام الفلاک و اجسام کو محیط ہے۔ اور اس کے باوراء کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ۲۶

بغیر علم و تحقیق کے ان اومائی بیانات سے متاثر ہو کر امام رازی کے بعد بعض دیگر مفسرین نے

بھی یونانی نظریات سے مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے سات آسمانوں کے وجود میں شک و شبہ کا اظہار کرتے ہوئے عرش اور کرسی کو آسمانوں اور نواں آسمان قرار دے دیا۔ جیسا کہ اس سلسلے میں قاضی بیضاوی اور شہاب الدین آلوسی بغدادی کی روش سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ اول الذکر تحریر کرتے ہیں:

فإن قيل: اليس ان اصحاب الارصاد اثبتوا تسعة الملاك؟ قلت فيما ذكره شكوك. وان صح فليس في الآية نفى الزائد، مع انه ان ضم إليها العرش والكرسي لم يبق خلاف۔ ۱۷

یعنی اگر یہ کہا جائے کہ کیا فلکیات دانوں نے نوا فلک کا اثبات نہیں کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں کافی شبہات ہیں لیکن اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو اس آیت میں زائد کی نفی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ان فلک کے ساتھ عرش اور کرسی کو بھی ملا لیا جائے تو کسی قسم کا اختلاف باقی نہیں رہے گا۔

اور عائی الذکر نے امام ہامزی اور قاضی بیضاوی کے بیانات کو بنیاد بنا کر انہیں دونوں کے اقوال کو دہرایا ہے جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں: فليس في الآية ما يدل على نفى الزائد بناء على ما اختاره الامام من ان مفهوم العدد ليس بحجة، وكلام البيضاوي في تفسيره يشير إليه۔ ۱۸

## قلف یونان کا ابطال

حالانکہ ان نظریات و مفروضات پر کوئی عقل یا شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ ۱۹ بلکہ یہ محض ادعائی بیانات و مرمومات تھے، جن کو جدید سائنس نے بالکل باطل قرار دے دیا ہے۔ اور دوسری طرف جدید سے جدید تحقیقات و اکتشافات کے باعث قرآن حکیم کے مبہم بیانات کی تصدیق و تائید پے در پے سامنے آ رہی ہے۔ تفصیل کے لئے تو ایک دفتر چاہئے مگر اس موقع پر بطور اختصار عرض ہے کہ:

(۱) جدید فلکیات کی زد سے تابع ہو چکا ہے کہ یونانی نظریات کے مطابق ہماری کائنات سات سیاروں اور ”نوا فلک“ میں محدود نہیں بلکہ اربوں کہکشاؤں (ستاروں کے مجموعے) اور کھربوں

آسمان کیا ہے؟

ستاروں (ہمارے سورج جیسے) کا مجموعہ ہے، اور یہ سب اجرام وسیع اور بے کراں خلاؤں میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ اور یہ پوری کائنات اس قدر وسیع ہے کہ اس میں ہمارے نظام شمسی کی حیثیت کسی بہت بڑے ریگستان میں ایک ریت کے ذرہ جیسی ہے۔

(۲) تمام ستارے اور سیارے کسی فلک میں جڑے ہوئے نہیں بلکہ بے کراں خلاؤں میں بغیر کسی سہارے کے تیرتے پھر رہے ہیں۔ (كُلُّ شَيْءٍ فَلَكَ يُسْبَحُونَ) اور ان میں ہمارا سورج بھی شامل ہے۔

(۳) یونانیوں کا نظریہ تھا کہ افلاک یا اجرام سماوی کا مادہ ہماری زمین کے مادے سے مختلف ہے، جو غلط ثابت ہو چکا ہے۔

(۴) یونانیوں کا نظریہ تھا کہ افلاک (اجرام سماوی) میں ”خرق والتیام“ محال ہے۔ یعنی ان کا مادہ نہ تو ٹوٹ سکتا ہے اور نہ ٹوٹنے کے بعد پھر دوبارہ جڑ سکتا ہے۔ چنانچہ پچھلے صنفات میں گزر چکا ہے کہ قرآن اور سائنس دونوں اجرام سماوی کی ٹوٹ پھوٹ اور ان کے بکھراؤ پر متعلق اللفظ ہیں۔ ہمارے سورج جیسے ستاروں میں ہائیڈروجن گیس پائی جاتی ہے جو مسلسل جل جل کر ہلیم (ایک دوسرے عنصر) میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ ستاروں میں روشنی، چمک اور حرارت کی وجہ اسی کے چلتے کی بدولت ہے۔ اور ستارے بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر دھماکوں سے پھٹتے رہتے ہیں۔ اور اس قسم کے پھٹنے والے ستاروں کو ”حادثہ ستارے“ کہا جاتا ہے۔

(۵) یونانی فلکیات کے مطابق ساتوں افلاک تہہ جہہ پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ جب کہ حدیث شریف میں تصریح موجود ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت پائی جاتی ہے، جس طرح کہ ہماری زمین اور آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے:

ما بین کل السما بین السماء والارض ۵۰

(۶) یونانیوں کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ اجرام سماوی متحرک بالارادہ ہیں اور ان میں عقل و شعور بھی

پایا جاتا ہے اور یہ بات جدید تحقیقات و نظریات کی رُو سے بالکل غلط اور مہمل ہے۔ بلکہ موجودہ نظریات کی رُو سے تمام اجرام ساری باہمی جذب و کشش (گراویشن) کی بدولت فضاؤں اور خلاؤں میں تیر رہے ہیں۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ: ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

إِنَّ إِلَهًا لَّهُنَّ الْمُسَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا: اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائیں۔ (فاطر: ۴۱)

(۷) یونانی نظریات کی رُو سے فلکیات اپنے پورے مواد اور شکل و صورت کے ساتھ ”قدیم“ ہیں۔ یعنی وہ مخلوق نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہیں:

وذهب ارسطو ومن تبعه كالقارابي وابن سينا على انها قديمة بذواتها وصفاتها. وقالوا..... (اما الفلكيات فالها قديمة بموادها وصورتها الجسمية والنوعية). ۳۱

(۸) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یونانی نظریات سے مرعوب ہو کر بعض مفسرین نے کرسی اور عرش کو آسمانوں اور نواں فلک قرار دے دینے کی جرات کر دی۔ مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ یہ افلاک جو آنکھوں کو نظر نہیں آتے۔ بلکہ انہیں محض ادعائی طور پر فرض کر لیا گیا ہے، وہ کرسی اور عرش کس طرح ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حدیث نبوی کی تصریح کے مطابق ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایک رقی سی چیز کی طرح اور اسی طرح ساتوں آسمان کرسی سمیت عرش کے مقابلے میں ایک ذرہ کے مانند ہیں۔ پھر کیا باری تعالیٰ جو عرش پر مسعودی ہے وہ بھی معاذ اللہ عرش سمیت ان افلاک کے ساتھ گھوم رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک معسک خیز صورت حال ہے جو بالکل مہمل اور لایعنی ہے۔

## آسمان اول کی بعض تفصیلات

غرض مذکورہ بالا حدیث سے دو حقیقتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ

آسمان کیا ہے؟

سوال کی مسافت کا فاصلہ موجود ہے:

مَا بَيْنَهُمَا مَسِيرَةٌ مِّمَّسٍ هَالِكَةٍ سَنَةً.

مگر پانچ سوال کی مسافت کس قسم کی رفتار سے ہوگی؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر بے اعتناء دوری ظاہر کرنا مقصود ہے، نہ کہ متعین طور پر پانچ سوال کا فاصلہ قرار دینا۔ (۲) چنانچہ اس سلسلے میں دوسری جو حقیقت مذکور ہے وہ اس بے اعتناء فاصلے کے تعین کے سلسلے میں مزید وضاحت ہے۔ یعنی ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ ہماری زمین اور آسمان کے درمیان پایا جاتا ہے:

مَا بَيْنَ كُلِّ سَمَاءٍ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

اب سوال یہ ہے کہ ہماری زمین کا آسمان کہاں ہے؟ تو اس سلسلے میں قرآن حکیم میں جو اشارات مذکور ہیں ان کی زد سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دور بینوں سے نظر آنے والی کہکشاؤں سے پرے واقع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی صراحت کی زد سے جتنے بھی ستارے (نجوم و کواکب) اور کہکشاں (مذرج) ہم کو نظر آتے ہیں (خواہ وہ خالی آنکھ سے ہوں یا دور بینوں کے ذریعہ) وہ سب کے سب آسمان اول یا سمائے دنیا میں داخل ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَرَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا.

ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے (اور اسے ہر طرح سے) محفوظ کر دیا

ہے۔ (حم مجیدہ: ۱۳)

اس موقع پر آسمان اول کو ”محفوظ کر دینے“ سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی نہ اس پار جاسکتا ہے اور نہ ہی اس پار جھانک کر دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی سرحد ایک ٹھوس چیز سے بند کر دی گئی ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ مَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ.

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے۔ اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے ڈو کر دانی

کر رہے ہیں۔ (انہیا: ۳۴)



سورج کی موت اور قیامت

غیر اس سلسلے میں مزید وضاحت اس طرح آئی ہے:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ.

اور ہم نے قریبی آسمان کو چاندیوں سے مزین کر دیا ہے۔ (ملک: ۵)

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ.

ہم نے قریبی آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کر دیا ہے۔ (صافات: ۶)

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاجِثِينَ: اور ہم نے آسمان (اول)

میں بہت سے برج (ستاروں کے مجموعے) بنائے ہیں، اور انہیں غور سے دیکھنے والوں کے لئے

آراستہ کر دیا ہے۔ (نجم: ۱۶)

دیکھئے ان تمام آیات میں ”سما“ واحد آیا ہے اور متعدد آیات میں اس کی صفت ”الدنيا“

آئی ہے، یعنی قریبی یا پہلا آسمان۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ہماری آنکھوں کو نظر آنے والے اجرام

یا مشہود کائنات آسمان اول میں واقع ہے اور بقیہ چھ آسمان ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ ہر دو

آسمانوں کے درمیان ایک ٹھوس چیز بطور پردہ موجود ہے جسے قرآن حکیم میں ”سقف محفوظ“ یعنی ایک

مضبوط چھت کہا گیا ہے۔ چنانچہ معراج نبوی کے سلسلے میں وارد حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر آسمان

میں دروازے موجود ہیں جن پر دربان متعین ہیں جو بغیر اجازت کسی کو اس پار جانے نہیں دیتے۔ غرض

ہماری مشہود کائنات ہی کے آسمان اول ہونے کا ایک اور ثبوت حسب ذیل آیت کریمہ بھی ہے، جس

کے مطابق قیامت کے موقع پر ستاروں اور کہکشاؤں سے بھرپور اس کائنات کی بساط لپیٹ دی جائے گی:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ بِالْكَتُبِ، كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ، وَغَدَا

عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ.

جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح کہ کھمبے ہوئے اور اوراق کا پاندہ (لپیٹا

جاتا) ہے۔ جس طرح ہم نے تخلیق اول کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ ہمارے

ذمہ ایک وعدہ ہے اور ہم اسے پورا کر کے دیں گے۔ (انبیاء: ۱۰۴)

آسمان کیا ہے؟

اس اعتبار سے حسب ذیل آیات میں آسمان کے پھٹنے سے مراد پوری آسمانی دنیا کا انتشار یا

تخریب کائنات مراد ہے:

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ. وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ.

جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ (انفطار: ۱-۲)

چنانچہ ان آیات کے مطابق آسمان کے پھٹنے کی کیفیت یہ ہوگی کہ تمام ستارے منتشر و پراگندہ

ہو جائیں گے، جو اتمام کائنات کا اعلان ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ: جب آسمان شق ہو جائے گا۔ (انشقاق: ۱)

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ.

جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ گلابی تیل کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ (رحمان: ۳۷)

وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ.

اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اُس دن (انتہائی) بودا ہوگا۔ (حاثہ: ۱۶)

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ: جب آسمان کا پوست اُتارا جائے گا۔ (نکویر: ۱۱)

السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ تَكُنْ وَعِذَّةُ مَفْعُولًا: اُس دن آسمان پھٹ جائے گا، اُس کا وعدہ

پورا ہو کر رہے گا۔ (مزل: ۱۸)

یہ اور اس قسم کی دیگر تمام آیات ایک ہی حقیقت عظمیٰ کی ترجمانی کر رہی ہیں اور اس مسئلے کے

مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر رہی ہیں کہ قیامت کے موقع پر آسمانی دنیا کی کیفیت کیا ہوگی۔ فرض جب زمین

و آسمان پوری طرح تباہ و برباد کر دیے جائیں گے تو پھر انہیں دوبارہ نئے سرے سے وجود میں لایا جائے

گا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يَوْمَ تُبَدِّلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتِ وَتَرَوُنَّ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ.

جس دن کہ یہ زمین بدل کر دوسری زمین لائی جائے گی اور اسی طرح آسمان بھی (بدل دئے جائیں

گے)۔ اور یہ سب کے سب اللہ کے درمیان حاضر ہو جائیں گے جو واحد اور زبردست ہستی ہے۔ (ایمراہیم: ۲۸)

## ایک وضاحت

اوپر مذکور تفصیلات کی رُو سے بدلائل معلوم ہو گیا کہ آسمان اول کا یہ مفہوم نہ لیا جائے تو پھر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ہم بقیہ چھ آسمان کس کو قرار دیں؟ کیونکہ ایک تو دور بینوں سے نظر آنے والی کہکشاؤں کو ”آسمان“ قرار دینا ممکن نہیں ہے اور پھر ان پر ”سات“ کا اطلاق کرنا ایک امر محال ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو آسمانوں کی تعداد اربوں تک پہنچ جائے گی، سات میں محدود نہ رہے گی۔ مزید یہ کہ اس صورت میں ”سقف محفوظ“ کا نظریہ بھی ٹھہل بن جائے گا۔ یعنی اس کا کوئی مفہوم نہ رہے گا۔

لہذا ان تمام اعتبارات سے ماننا پڑے گا کہ بقیہ چھ آسمان ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔ مگر وہ کس قسم کے ہیں؟ آیا ان میں بھی ہماری کائنات کے مطابق چاند، ستارے اور کہکشاں موجود ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ ان سب کا تفصیلی علم صرف خدائے عظیم و خیر ہی کو ہو سکتا ہے۔

## اسلامی دور میں قانون تجاذب کا مفہوم

غرض تخریب کائنات کی یہ داستان بڑی جبر تک ہے، جو جدید ترین نظریات و اکتشافات کی روشنی میں ایک حقیقت نظر آ رہی ہے۔ قرآنی بیانات اور اس کے دعووں کو سمجھنا موجودہ نظریات کی روشنی میں بہت آسان ہو گیا ہے، ورنہ دور قدیم میں ان کا مفہوم واضح نہیں تھا۔ چنانچہ مختلف ستاروں، سیاروں اور دیگر اجرام سماوی کے درمیان جو ”توازن“ قائم ہے، جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے سے ٹکرائے نہیں بلکہ ہر ایک اپنے مدار میں تیرتے ہوئے محو گردش ہے، اس کی وجہ ان کے درمیان پایا جانے والا ”عالمگیری قانون تجاذب“ ہے، یعنی یونیورسل لاء آف گراویشن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام اجرام سماوی ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ کیونکہ ہر مادی شے میں دوسری مادی شے کو کھینچنے کی قوت یا تجاذب ہوتا ہے۔ اور اس قوت کشش کی بنا پر ان سب کا باہمی توازن برقرار رہتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو تھامے ہوئے گردش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر ان کی یہ باہمی قوت جذب و کشش ختم

کر دی جائے تو وہ آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر اگر آپ ایک گیند کو ڈوری میں باندھ کر اُسے گھماتے رہیں گے تو آپ کے ہاتھ کی ڈوری بندھی ہوئی رہے گی اور وہ گھومتا رہے گا۔ لیکن اگر ڈوری ٹوٹ جائے تو وہ آپ کے ہاتھ سے نکل بھاگے گا اور اپنے مقابل سے ٹکرا جائے گا۔

دور قدیم میں قانون تجاذب کا یہ مفہوم واضح نہیں تھا، مگر پھر بھی اسلامی نظریات میں ہو بہو بھی مفہوم پایا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں سورہ ہککوہ کی تفسیر میں کلبی سے منقول ہے کہ اُس دن (قیامت کے موقع پر) آسمان ستاروں کی برسات کرے گا اور ہر ستارہ سطح ارض سے ٹکرا جائے گا۔ نیز عطاء سے منقول ہے کہ یہ بات اس طرح ہے کہ ستارے زمین اور آسمان کے درمیان معلق قندیلیں ہیں جو نور کے سلسلوں (یا ڈوریوں) میں (بندھی ہوئی) ہیں۔ اور یہ ڈوریاں ملائکہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ لیکن جب زمین اور آسمان کے تمام لوگ مرجائیں گے تو یہ ڈوریاں ملائکہ کے ہاتھوں سے پھوٹ جائیں گی۔

قال الكلبي: تمطر السماء يومئذ نجوما فلا يبقى نجم في السماء إلا وقع على وجه الارض، قال عطاء: وذلك الها في قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من النور، وتلك السلاسل في ايدي الملائكة، فإذا مات من في السماء والارض تساقطت تلك السلاسل من ايدي الملائكة. ۳۲

ان حقائق کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دور میں لوگ فلسفہ یونان کے معتقد جامہ نہیں تھے۔ بلکہ یہ اور اس قسم کے نظریات یا تو منقولی ہیں جو عہد رسالت سے متواتر چلے آ رہے تھے (اور خاص کر حضرت ابن عباسؓ سے اس قسم کے بے شمار حقائق منقول ہیں) یا پھر عہد اسلامی میں مسلم سائنس دانوں کی تحقیق و تدوین کا نتیجہ ہیں۔

### دور صحابہ میں کہکشاں کا تصور

ہمارے ذخیرہ تفسیر پر ایک نظر ڈالنے سے اس قسم کے بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں، جو تحقیقات جدیدہ کے عین مطابق ہیں۔ ان حقائق کے ملاحظے سے حیرت ہوتی ہے کہ قدیم دور میں اللہ

اسلام اور خاص کر صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جدید تحقیقات و اکتشافات سے بے خبر کائنات کے رموز و اسرار سے کس قدر آشنا تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے اس علم و اطلاع کی بنیاد تجرباتی نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ سے سنی ہوئی باتوں کی بنا پر ہی تھی جو خاص خاص صحابہ سے منقول ہے۔ چنانچہ دور صحابہ میں آسمان اور کہکشاں کا صحیح تصور حضرت علیؑ سے سورۃ الشفاق کی تفسیر میں اس طرح منقول ہے کہ آسمان تجڑ، یعنی کہکشاں سے پھٹے گا۔

و عن علي عليه السلام انها تنشق من المجرة. ۳۲

یعنی آسمان کے پھٹنے کی ابتداء ہماری کہکشاں (مکلی وے یا دودھیائی راستے) سے ہوگی، جو زمین والوں کے لئے سب سے قریبی کہکشاں ہے اور اس میں ایک موٹے اندازے کے مطابق تقریباً ایک کرب ستارے (ہمارے سورج جیسے) موجود ہیں۔

The Milky Way is our own galaxy, and the sun is only one star of the 100 billion stars in it. ۳۳

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کہکشاں آسمان کا دروازہ ہے۔ (المجردة باب السماء) اور اس سے مراد وہ دودھیائی راستہ ہے جو رات کے وقت آسمان میں ایک سفید لکیر کی شکل میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت خود حضرت ابن عباسؓ نے اس طرح کی ہے: (وهي البصاض المعترض في السماء)۔ ۳۵

## تخریب عالم کی ابتدا تخریب سماء سے کیوں؟

قرآن عظیم ایک اچھائی حکیمانہ کلام ہے جو علم و حکمت کے نکات سے بھرپور ہے۔ اس میں سائنٹفک نقطہ نظر سے غور کرنے والوں کے لئے قدم قدم پر حقائق و معارف کا ایک انبار نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کی نظر سے اس کائنات کی کوئی چیز اور کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ بلکہ اس نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اس عالم رنگ و بو کی تخلیق کی ہے اور اس عالم طبعی کے تمام واقعات اس کی منصوبہ بندی ہی کے تحت وقوع میں آ رہے ہیں۔ اسی بنا پر قرآنی آیات میں بھی

آسان کیا ہے؟

منطقی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یعنی ہر دو آیات کے درمیان بہت گہرا عقلی ربط و تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ انفطار کی ابتدائی پانچ آیات ملاحظہ ہوں جو اس طرح ہیں:

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ. وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَحَرَتْ. وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ. وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ. عَلِمْتَ نَفْسَ مَا قُلْتِ وَأَنْخَرْتَ.

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے جھڑکیں گے۔ اور جب سمندر اٹل پڑیں گے۔ اور جب قبریں کھول دی جائیں گی۔ تب ہر شخص جان لے گا کہ اُس نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا۔ (انفطار: ۱-۵)

چنانچہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تخریب عالم کی ابتدا آسمان کو اُجاڑنے سے کیوں کی گئی ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمان بحزلہ چھت کے ہے اور زمین بحزلہ عمارت کے ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص گھر کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے چھت کو توڑتا ہے۔ تو کہا گیا (إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ)۔ پھر آسمان کی جہاں سے ستاروں کا نکھر اُکلا لازم ہو جاتا ہے تو کہا گیا (وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَحَرَتْ)۔ پھر آسمان اور ستاروں کی تخریب سے زمین پر جو کچھ موجود ہے اُس کی تخریب بھی ضروری ہو جاتی ہے اس لئے فرمایا (وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ)۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے آخری فیصلے میں زمین کو بھی جو ایک عمارت کی طرح ہے تباہ کر دے گا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا (وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ)۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ زمین کی کلب ماہیت کر دی جائے گی۔ ص ۶۷

پھر اُس کے بعد دنیا کے تمام اگلے اور پچھلے انسانوں کو اپنی اپنی قبروں سے نکال باہر کر کے اُن کا محاسبہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو اُس کے اعمال اور برے اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی۔ نتیجہ یہ کہ کسی کو جنت ملے گی تو کسی کو دوزخ۔ اُس دن ہر شخص کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے دنیا میں کیا کیا تھا اور روز جزا میں اُسے کیا ملا؟ جو کچھ اُس نے کیا تھا اُسی کا بدلہ ملے گا۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ.

جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہے وہ اُسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر بھی برائی کی ہے

بھی اُسے دیکھ لے گا۔

## حرف آخر

حاصل بحث یہ کہ اسلام ایک عالمی و عقلی مذہب ہے جو علم و حکمت سے بھرپور ہے۔ اور اُس کی دعوت توہمات یا غیر عقلی عقائد و نظریات پر مبنی نہیں، بلکہ علمی اور سائنٹفک دلائل اور نظام کائنات کے حقائق پر مبنی ہے۔ چنانچہ جدید سے جدید تر اکتشافات سے اُس کے عقائد و تعلیمات کی حقیقت کھل کر سامنے آ رہی ہے، جن کے ملاحظے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ایک سچا اور برحق دین ہے جو اسی ہستی کی جانب سے بھیجا ہوا ہے جس نے اس کائنات کی تخلیق کی ہے۔ ورنہ قرآن اور کائنات کے حقائق میں اس قدر زبردست مطابقت ہرگز نہ پائی جاتی۔ لہذا یہ پوری نوع انسانی کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ وہ خدا کے اس سچے مذہب کو اپنا کراپنی عاقبت درست کر لے اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ، لَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ضَلَّٰ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا، وَمَا آتَا عَلَيْكُمْ مِنْ كِتَابٍ . (پولس: ۱۰۸)

کہہ دو کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بات آ چکی ہے۔ لہذا اب جو کوئی راہ راست پر آئے گا تو وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے ہوگا۔ اور جو گمراہ ہوگا تو اُس کا وبال بھی اُسی پر ہوگا۔ اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔

## مراجع و حواشی

(۱) فقہ اللغة و سر العربیة، ابو منصور ثعلابی، ص ۱۶ مطبوعہ مصر، ۱۹۵۴ء۔

(۲) لسان العرب، ابن منظور، ۱۴/۲۹۸، دار صادر بیروت۔

(۳) زاد المسیر فی علم التفسیر، ابن جوزی: ۸/۴۱، دمشق، ۱۹۶۷ء۔

(۴) دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (خورد): ۲/۱۰، ۱۹۸۳ء۔

(۵) Oxford Encyclopedia, Vol.8, New York, 1993, P.15.

(۶) تہذیب الفلاسفہ، الامام غزالی، ص ۴۱، دار الشروق بیروت، ۱۹۹۰ء۔

(۷) یعنی ”سورج کی موت اور قیامت“۔

(۸) بخاری کتاب التوحید، ۸/۴۰۳، مطبوعہ استانبول، ۱۹۸۱ء۔

(۹) بخاری کتاب الصلوٰۃ، ۱/۹۱-۹۲، ایضاً۔

(۱۰) تفسیر کبیر: ۳۱/۱۴، دار الفکر۔

(۱۱) تفسیر ابن جریر: ۸۱/۳۰، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۰ء۔

(۱۲) Oxford Illustrated Encyclopedia, Vol.8, Oxford University Press,

Oxford 1993, P.55.

The World Book Encyclopedia, Vol.8, 1996, P.10. (۱۳)

New Fronties in Artronomy, Freeman & Company, San (۱۴)

Francisco, 1975, P.224.

Ibid. (۱۵)

Ibid. (۱۶)

Ibid, P.222. (۱۷)

(۱۸) اس حدیث سے علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں استدلال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس



حدیث کو ابن حبان اور احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۵۵۶/۶)۔

(۱۹) بخاری کتاب التوحید، ۸/۱۷۶۔

(۲۰) بخاری کتاب التفسیر: ۳۳/۶، مسلم کتاب صفات المنافقین: ۳/۲۱۴۷، دارالافتاء ریاض، ۱۴۰۰ھ۔

(۲۱) بخاری کتاب الرقاق: ۷/۱۹۳، مسلم: ۳/۲۱۴۸۔

(۲۲) بخاری و مسلم۔

(۲۳) دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہ: ۵۶۲/۶، مطبوعہ دارالافتاء، ریاض۔

(۲۴) تفسیر کبیر: ۲/۱۷۲۔

(۲۵) دیکھئے شرح چھمینی: ص ۲۲، مطبوعہ رحمیہ دیوبند۔

(۲۶) دیکھئے تفریح (شرح تشریح الاطلاق) ص ۶، رحمیہ دیوبند۔

(۲۷) تفسیر بیضاوی: ۱/۲۷۶، دارالفکر بیروت۔

(۲۸) تفسیر روح المعانی: علامۃ لوی، ۱/۲۱۷، داراحیاء التراث العربی بیروت۔

(۲۹) دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہ: ۵۴۶/۶۔

(۳۰) جامع ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، ۵/۴۰۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔ نیز ملاحظہ ہو

مسند احمد، ۲/۳۷۰، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ۔

(۳۱) کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/۵۶۵، جدید ایڈیشن، بیروت۔

(۳۲) تفسیر کبیر: ۳۱/۶۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت۔

(۳۳) تفسیر کبیر: ۳۱/۱۰۴۔

(۳۴) Oxford Encyclopedia, Vol. 8, P. 54.

(۳۵) التہایۃ فی غریب الحدیث: ۱/۲۲۹، لسان العرب: ۳/۱۲۹۔

(۳۶) تفسیر کبیر: ۳۱/۷۸۔

# فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ کی اہم مطبوعات

مولانا محمد شہاب الدین ندوی کے قلم سے

اردو مطبوعات:

۱۔ قرآن حکیم اور علم نباتات ۱70/-

۲۔ تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء

۳۔ قرآن مجید اور دنیائے حیات 30/-

۴۔ اسلام اور عصر حاضر 45/-

۵۔ چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں

۶۔ قرآن سائنس اور مسلمان 40/-

۷۔ عورت اور اسلام

۸۔ اسلام اور جدید سائنس

۹۔ جدید علم کلام 40/-

۱۰۔ قرآن اور نظام فطرت

۱۱۔ قرآن عظیم کا تباہ کن معجزہ اور علماء کی ذمہ داریاں 28/-

۱۲۔ اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ

۱۳۔ اسلام کا قانون نکاح

۱۴۔ اسلام کا قانون طلاق

۱۵۔ اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں

۱۶۔ تمین طلاق کا ثبوت

۱۷۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ

۱۸۔ تعداد از دواہ پر ایک نظر

۱۹۔ ہمارے تعلیمی مسائل

۲۰۔ اسلام میں زکاۃ کا نظام

۲۱۔ قرآن کا پیغام

۲۲۔ زکاۃ کے مستحق کون ہیں؟ (دو حصے)

۲۳۔ کیا زکاۃ علماء کو دی جاسکتی ہے؟

۲۴۔ آسان عربی زبان (دو حصے)

۲۵۔ اسرار نبوت

۲۶۔ جہیز ایک غیر اسلامی تصور

۲۷۔ عالم ربوبیت میں توحید شہودی کے جلوے

۲۸۔ نکاح کتنا آسان کتنا مشکل؟

۲۹۔ بیج مراہی اور اسلامی بینک کاری

۳۰۔ جہیز خلاف شریعت کیوں؟

۳۱۔ زکاۃ اور مصارف عامہ

۳۲۔ زکاۃ کے اجتماعی نظام کی اہمیت

۳۳۔ حیات ثانی کے عقیدے پر کلوننگ کی شہادت

۳۴۔ سائنسی میدان میں مسلمانوں کا عروج و زوال

۳۵۔ روایت ہلال کے لئے فلکیاتی حساب معتبر ہے یا نہیں؟

۳۶۔ اکیسویں صدی کا جہاد قرآن عظیم کے ذریعہ

۳۷۔ اسلام اور جدید عالمی نظام

۳۸۔ زکاۃ کے آٹھ مصارف: اور فی سبیل اللہ کی اہمیت

۳۹۔ سورج کی موت اور قیامت: قرآن وحدیث اور سائنس کی نظر میں

انگریزی مطبوعات

- 1- The Holy Qur'an and Biology
- 2- The Battle of Islamic Shariah in India
- 3- The Holy Qur'an and Natural World
- 4- Evolution or Creation?
- 5- Islam in Concept
- 6- Need to Institutionalise Zakat
- 7- Cloning Testifies Resurrection
- 8- Shariah House A Basic Need
- 9- Rise and Fall of Muslims in Science
- 10- Moon Sighting & Astronomical Calculations
- 11- Qur'an, Science and the Muslims

عربی مطبوعات

- ۱۔ بین علم آدم والعلم الحديث
- ۲۔ الأدلة العلمية الحديثة علي المعاد الجسدي
- ۳۔ التجليات الربانية في عالم الطبيعة
- ۴۔ الاستنساخ الجيني يصدق المعاد الجسدي
- ۵۔ نهضة العالم الإسلامي في ظلال القرآن الكريم
- ۶۔ أهمية الجهاد لنهضة العالم الإسلامي
- ۷۔ التقدم في العلم والتكنولوجيا
- ۸۔ الحاجة الى انشاء دار الشريعة في الهند
- ۹۔ مشاهد الربوبية في دنيا النبات
- ۱۰۔ خلق آدم ونظرية التطور والارتقاء